فضائلِ رمضان و روزہ

انوار و تجلّیات
برکات و ثمرات

تالیف و پیشکش
الشیخ محمد منیر قمر صاحب حفظہ اللہ

ترتیب و تدوین
شکیلہ قمر صاحبہ

توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

فضائلِ رمضان وروزہ

☆انوار وتجلّیات ☆برکات وثمرات

تالیف وپیشکش

شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترتیب وتدوین

شکیلہ قمر

ناشر

توحید پبلیکیشنز'بنگلور

❖ نامِ کتاب: فضائلِ رمضان وروزہ
❖ تالیف وپیشکش: شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
❖ ترتیب وتدوین: شکیلہ قمر
❖ کمپوزنگ وکورڈزائین: ابومحمد شاہد ستار
❖ طبع اول: ۱۴۲۷ھ ، ۲۰۰۶ء
❖ تعداد
❖ ناشر: توحید پبلیکیشنز ، بنگلور
❖ قیمت

❁ ہندوستان میں ملنے کے پتے ❁

1-توحید پبلیکیشنز
ایس.آر.کے.گارڈن
فون:۲۶۶۵۰۶۱۸، بنگلور۔۰۴۱ ۵۶۰

2-چارمینار بک سنٹر
چارمینار روڈ،شیواجی نگر، بنگلور۔۰۵۱ ۵۶۰

3-دار التوعیة
اسلامی سی۔ڈیز، کیسیٹس اور بک ہاؤس۔
نمبر:۷، فرسٹ کراس، چارمینار مسجد روڈ
فون:۰۸۰۔۲۵۵۴۹۸۰۴
شیواجی نگر، بنگلور۔۵۶۰۰۵۱

4- میسور، فون:۲۴۹۲۱۲۹

1-Tawheed Publications,
S.R.K.Garden,Phone#26650618
BANGALORE-560 041
2-Charminar Book Center
Charminar Road,Shivaji Nagar,
BANGALORE-560 051
3.Darul Taueyah
Islamic Cassettes,Cds & Books
House,Door#7,Ist Cross
Charminar Masjid Road
SivajiNagar Bangalore-560 051
Tel:080-25549804
4-Tel:2492129,Mysore.

Emailto:tawheed_pbs@hotmail.com

www.ircpk.com www.mohammedmunirqamar.com

آئینہ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر



حرفِ گفتنی

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُه‘ وَنَسْتَعِیْنُه‘ وَنَسْتَغْفِرُه‘ ،وَ نَعُوْذُ بِا للّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَا لِنَا، مِنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَه‘ ،وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَه‘، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ أَ نَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ:

قارئینِ گرامی !السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ماہِ رمضان المبارک اور روزہ کے فضائل ومسائل اوراس موضوع سے متعلقہ ضعیف ومن گھڑت احادیث پرمختصرانداز کے ہمارے دورسائل شائع ہوکرآپ تک پہنچ چکے ہیں،جبکہ یہ اسی سلسلہ کا تیسرارسالہ یا کتاب ہے جسمیں ہم نے تفصیل کے ساتھ ماہ رمضان المبارک اور روزہ کے انوار وتجلّیات،فضائل وبرکات اورفوائدوثمرات ذکرکردیئے ہیں۔

یہ کتاب دراصل ہماری ان ریڈیائی تقاریرکاایک حصہ ہے جومتحدہ عرب امارات کے ریڈیوام القیوین کی اردوسروس سے روزانہ پروگرام’’دین ودنیا‘‘ کے تحت نشرہوئیں۔پہلے ریڈیواورپھرکیسٹوں،سی ڈیزاورڈی وی ڈی کے ذریعے ہمارے سامعین نے ان تقاریر سے استفادہ کیااوراب ہم انہیں اپنے قارئین کی خدمت میں کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔اوراللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس خدمت کوشرفِ قبول سے نوازے اورہم سب کیلئے اسے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائے۔

اس کتاب کی موجودہ شکل وتدوین پرہم اپنی لختِ جگرشکیلہ قمرکےشکرگزاراوراسکے لیئے

دعاء گو ہیں۔بَارَکَ اللّٰهُ فِیْ أَوْقَاتِهَا وَاَعْمَالِهَا وَتَقَبَّلَهَا مِنْهَا وَوَفَّقَهَا لِلْمَزِیْدِ.

ہم اپنے دوست جناب ابومحمد شاہد ستار صاحب (کانو کمپنی،الخبر) کے شکرگزار ہیں،جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود بڑے خلوص ومحبت کے ساتھ بعض دیگر رسائل کی طرح ہی اس کتاب کی کمپوزنگ کی۔فَجَزَاهُ اللّٰهُ فِی الدَّارَیْنِ وَوَهَبَ لَه' مِنَ الصَّالِحِیْنَ.

ایسے ہی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے دوست جناب محمد رحمت اللہ خان صاحب (ایڈووکیٹ،الخبر) کا شکریہ ادا نہ کریں،جنکا خلوص ومحبت اور دعائیں ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہیں اور جو ہماری کتابوں،سیڈیوں اور کیسٹوں کو ہندوستان میں عام کرنے کے جذبے سے سرشار شب وروز مصروفِ کار رہتے ہیں۔بَارَکَ اللّٰهُ فِیْ جُهُوْدِهٖ وَاَوْقَاتِهٖ۔آمین

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُه'

الخبر،سعودی عرب
۱۱/صفر ۱۴۲۳ھ
۲۴/اپریل ۲۰۰۲ء

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ،الخبر
وداعیہ متعاون،مراکز دعوت وارشاد
الدمام،الظہران،الخبر





فضائلِ رمضان وروزہ

انوار وتجلّیات☆برکات وثمرات

ماہِ رمضان المبارک اور روزے کے بیشمار فضائل و برکات اور فوائد وثمرات ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر تو خود کتابِ الٰہی قرآنِ کریم میں بھی آیا ہے اور کچھ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں مذکور ہیں۔ اور اُخروی وروحانی فضائل وبرکات کے ساتھ ساتھ روزے کے بہت سارے مادی وطبی فوائد وثمرات اور منافع ومفادات بھی ہیں، جن کا تذکرہ آگے چل کر اپنے اپنے مقام پر آتا جائے گا۔

①قرآنِ کریم کی رو سے

سب سے پہلے آئیے قرآنِ کریم کے اُس حصہ کا مطالعہ کریں، جسمیں رمضان وروزہ کے نہ صرف فضائل وبرکات ہی کا تذکرہ ہے بلکہ روزے کے کتنے ہی مسائل واحکام بھی آگئے ہیں۔ قرآنِ کریم کا وہ حصہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۳ سے لیکر ۱۸۷ تک ہے۔

فرضیّتِ روزہ:

اس حصہ کی پہلی ہی آیت میں روزے کی فرضیت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ O﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جسطرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم میں تقویٰ و پرہیز گاری کی صفت پیدا ہو۔“

قرآنی احکام و مسائلِ روزہ:

اگلی آیات میں روزے کے مختلف احکام ومسائل ذکر کیئے گئے ہیں چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o﴾

(سورۃالبقرہ: ۱۸۴)

”یہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں، پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے، اور طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کر لے، وہ اسکے لیئے بہتر ہے، لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔“

یہاں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں جب لوگ ابھی روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ رعایت دے رکھی تھی کہ چاہے تم خود روزہ رکھو یا فدیہ میں کسی مسکین کو کھانا کھلا دو۔ تمہیں اختیار ہے، مگر تمہارے لیئے بہتر روزہ رکھنا ہی ہے۔ اور جب لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت ختم فرمادی اور حکم دے دیا کہ روزہ ہی رکھنا ہوگا۔ اسطرح اس رخصت ورعایت کو اس سے اگلی ہی آیت نے منسوخ کر دیا جیسا کہ متعدد احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول مروی ہے جسکی رو سے بظاہر یوں

لگتا ہے کہ وہ اس آیت میں نسخ کے قائل نہیں ، بلکہ وہ اسے مُحکم مانتے تھے۔ [1]

جبکہ انہی سے ایک دوسری روایت بھی ثابت ہے جس سے انکا یہ نظریہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نسخ کے قائل تھے،جیسا کہ تفسیر ابن جریر،المنتقیٰ ابن جارود اور سنن کبریٰ بیہقی میں عزرہ کے طریق سے انکا قول مروی ہے۔ [2]

شیخ محمد ناصر الدین البانی نے ارواء الغلیل میں ان ہر دو قسم کی روایات کے مابین جمع و تطبیق ذکر کر کے اس اشکال کو بھی رفع کر دیا ہے،جسکی تفصیل مذکورہ کتاب کی جلد چہارم کے صفحات ۱۷ تا ۲۵ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں دیگر کئی اہم موضوعات بھی آ گئے ہیں۔

غرض روزے یا فدیئے کے اختیار کی رخصت کو منسوخ کرنے والی اگلی ہی آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ﴾

(سورۃالبقرہ:۱۸۵)

”رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جسمیں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔تم میں سے جو شخص اس ماہ میں (مقیم و تندرست) ہو، اسکے لیئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔“

آیت کے اس حصہ میں اللہ نے فدیئے والی رخصت کو ختم کر دیا، البتہ مریض و مسافر کیلئے رخصتِ قضاء کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا:

(1) صحیح البخاری مع الفتح ۹/۸/۷،ارواء الغلیل ۴/۱۷ و مابعد۔

(2) الارواء ۴/۱۸۔

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (سورۃ البقرہ:۱۸۵)

"اور ہاں تم میں سے جو شخص مریض یا مسافر ہو، اسے دوسرے دنوں میں (قضا روزے رکھ کر) یہ گنتی پوری کرنا ہوگی۔ اللہ کا ارادہ تمہارے لیئے آسانی کرنے کا ہے سختی کا نہیں (وہ چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کرلو اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق اسکی بڑھائیاں بیان کرو اور اسکا شکر کرو۔"

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں (اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَر، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ) کہنی چاہییں۔ [3]

ترغیبِ دعاء : دعاء کی قبولیت کو روزے کے ساتھ چونکہ ایک خاص مناسبت ہے، لہٰذا روزے کے احکام کا بیان مکمل کرنے کے مابین ہی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾

(سورۃ البقرہ:۱۸۶)

"(اے نبی!) جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں (تو فرمادیں کہ) میں بہت ہی قریب ہوں، میں ہر پکارنے والے کی دعاء و پکار کو قبول کرتا ہوں جب کبھی بھی کوئی مجھے پکارے، پس لوگوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، اس سے انہیں رشد و ہدایت نصیب ہوگی۔"

(3) تفسیر ابن کثیر اردو ۱/۲۵۵ طبع مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور۔

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعائیں کرنے کی طرف مختصر سا اشارہ کرنے کے بعد پھر سے احکامِ رمضان و روزہ کا بیان شروع کر دیا اور فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ، ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ، عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ، فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ، وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ، وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ، تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا، کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَo﴾

(سورۃ البقرہ:۱۸۷)

’’روزہ کی راتوں میں تمہارے لیئے اپنی بیویوں سے ملنا حلال کیا گیا ہے، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم انکا لباس ہو، تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرلیا ہے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمالیا ہے۔ اب تمہیں اپنی بیویوں سے مباشرت کرنے اور اللہ کی لکھی ہوئی چیز (اولاد) کو تلاش کرنے کی اجازت ہے۔ اور تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ (رات کے) سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو۔ اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مساجد میں اعتکاف کیئے ہوئے ہو۔ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں، تم ان کے قریب بھی مت جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کیلیئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی و پرہیزگار بن جائیں۔‘‘

اس آیت کے جن الفاظ میں مذکور ہے کہ ''تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کرلیا ہے'' اس حصہ کا مفہوم اس پس منظر کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتدائے اسلام میں افطار سے لیکر نمازِ عشاء تک کھانا پینا اور جماع کرنا جائز تھا اور اگر کوئی اس سے پہلے ہی سو گیا تو نیند آتے ہی سب حرام ہوگیا۔ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قدرے مشقّت ہوئی اور ان سے خطائیں بھی سرزد ہوئیں، جنہیں خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابن کثیر اور دیگر کتبِ تفسیر میں حضرت قیس اور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہما کے واقعات بھی منقول ہیں کہ وہ کس مشقّت میں مبتلا ہوئے اور کیا خیانت کر بیٹھے۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مشقّت کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور روزے کی راتوں میں اکل وشُرب اور جماع کی عام اجازت دے دی اور سابقہ خطاؤں کو معاف کرنے کا اعلان بھی فرما دیا۔ (4)

② حدیثِ شریف کی روشنی میں

فرضیّت و رکنیّتِ روزہ:

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیّت وفضائل اور بعض مسائل سے متعلقہ قرآنی آیات کی طرح ہی ہمارے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی رمضان المبارک کے روزے فرض قرار دیئے گئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ فرض قرار دیئے گئے ہیں، بلکہ انہیں اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن کا درجہ دیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوةِ وَصِیَامِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَیْتِ)) (5)

---

(4) تفصیل کیلئے، تفسیر ابن کثیر ۱/۲۶۲-۲۶۳ اردو۔

(5) الارواء ۳/۲۴۸، مشکوٰۃ بتحقیق البانی ۱/۱۰۔

’’اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور حضرت محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔‘‘

یاد رہے کہ رمضان المبارک کے روزے ۲ھ ماہ شعبان کی دو تاریخ بروز پیر فرض کیئے گئے تھے۔ (6)

③فضائل وبرکات اور فوائد وثمراتِ رمضان و روزہ

حدیثِ رسول ﷺ میں رمضان المبارک اور روزے کے بیشمار فضائل و برکات اور فوائد وثمرات بیان کیئے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱) اخلاصِ لِلّٰہ کا منفرد مظہر:

تمام عبادات میں سے روزہ ایک انفرادی حیثیّت رکھتا ہے۔ اسکے سوا اسلام کے تمام ارکان کا کسی نہ کسی حدتک ظاہر سے بھی ایک تعلق ہے، جیسے نماز کو ہی لے لیجیئے کہ یہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی، بلکہ جب سورۂ بقرہ، آیت: ۴۳ میں واردحکمِ الٰہی ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) کے تحت کوئی شخص باجماعت نماز ادا کرے گا تو پوری جماعت اسے مسجد میں آتے جاتے اور نماز ادا کرتے دیکھے گی۔ حج کی ادائیگی پر سینکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حُجّاج کا جمِّ غفیرا سے مناسکِ حج وعمرہ ادا کرتے دیکھتا ہے، اور زکوٰۃ ہے تو وہ بھی کم ازکم دینے اور لینے والے دو آدمیوں کے مابین ہوگی مگر روزہ۔۔۔۔۔۔۔روزہ وہ

(6) نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۶، فقہ السنہ ۱/۴۳۳۔

منفرد عبادت ہے کہ ایک وقت اسکا تعلق ظاہر سے بالکل ہی ٹوٹ جاتا ہے اور صرف عابد ومعبود کا باہمی معاملہ ہی رہ جاتا ہے۔ مثلاً والدین، بہن، بھائیوں اور بیوی بچوں یا دوست واحباب کے ساتھ مل کر سحری کھائی، مگر جب وہ باتھ روم، کچن یا کسی بھی مقام پر تنہا ہے تو بنی نوعِ انسان تو کیا تمام مخلوقات میں سے کوئی پرندہ تک بھی اُسے نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ ایسے میں جب باہر شدّت کی دھوپ اور گرمی ہو تو انسان کا نفسِ امّارہ اسے یہ طفل تسلیاں دیتا ہے کہ اس تنہائی میں اگر تم ٹھنڈے پانی سے شادکام ہولو، تو کون دیکھ رہا ہے؟ اور کس کا ڈر ہے؟ عین اُسی وقت روزہ دار کا ذاتِ الٰہی پر غیر متزلزل ایمان آڑے آتا ہے۔ اسکا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور اُسے جھنجھوڑ کر بتاتا ہے کہ اس تنہائی میں پانی پینے میں بھی اُس ذات کا ڈر ہے کہ جو شہ رگ سے بھی قریب تر ہے اور پانی کے منہ سے پیٹ تک جانے کے راستے میں ہی جسکا گھر ہے۔ کیونکہ سورۂ قٓ، آیت:۱۶ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ٥﴾

''ہم تو اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

۲) غیر متزلزل ایمان اور اسکی جزا:

اس یکسوئی وتنہائی کے لمحات میں اگر اسے فکرِ آخرت اور خوفِ الٰہی نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے لطیف وخبیر اور علیم ورقیب ہونے پر اسکا مضبوط ومحکم ایمان نہ ہو تو وہ کبھی بھی روزے کی تکمیل نہ کر پائے۔ یہ دولتِ ایمان ہی کا کرشمہ ہے کہ آتش بار گرمی اور تشنہ کامی میں بھی وہ روزہ دار کو ٹھنڈے پانی سے شادکام نہیں ہونے دیتا اور ایک گھونٹ بھی گلے سے نیچے نہیں اُتارنے دیتا۔ یہ امتیازی اور انفرادی حیثیّت تمام عبادات میں سے صرف روزے کو ہی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری ومسلم اور نسائی کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ)) (7)

''بنی آدم کا ہر عمل اُسی کیلئے ہے، سوائے روزے کے، وہ محض میری خوشنودی کیلئے ہی ہوتا ہے اور اسکا اجر وثواب بھی خود میں ہی دونگا۔''

بخاری شریف میں اس حدیثِ قُدسی کی ایک اور روایت کے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:

((يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِيْ. اَلصِّيَامُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا)) (8)

''میرا بندہ کھانا پینا اور حلال شہوت کو پورا کرنا بھی میری رضا کی خاطر چھوڑ دیتا ہے۔ روزے میری رضا کیلئے خاص ہیں اور انکی جزاء بھی خود میں ہی دونگا اور ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔''

صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ)) (9)

''بنی آدم کے ہر نیک عمل کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیا جاتا ہے۔ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک دیا جائے گا، لیکن اللہ کا ارشاد ہے: سوائے روزے کے، وہ محض میری رضا کیلئے سرانجام پاتا ہے اور اسکا اجر وثواب بھی خود میں ہی دونگا۔ کیونکہ وہ شہوت اور کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے۔''

اندازہ فرمائیں کہ روزے کی اس امتیازی وانفرادی حیثیّت ومقام میں دوسرا کوئی عمل اسکا کیا مقابلہ کر پائے گا؟

---

(7) بحوالہ ریاض الصالحین مراجعۃ الارناؤوط ص ۴۷۸ طبع دار المامون، دمشق وصحیح الجامع ۴/۲/۱۱۹۔

(8) بحوالہ سابقہ۔ (9) ایضاً۔

۳) اخلاقی و روحانی تربیّت کا مهینه:

انبیاءورسل صَلَواتُ اللّٰـهِ وَ سَلامُـهٗ عَلَيهِمْ اَجْمَعِيْنَ کی بعثت کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی اور بے ہمتائی اجاگر کرنا، اخلاقِ انسانی کو سنوارنا اور اخلاقی اقدار کو فروغ دینا ہے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود اپنی زبانِ مبارک سے بھی اپنی بعثت کا یہی منصبِ جلیل اور مقصدِ عظیم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ الادب المفرد امام بخاری، مستدرک حاکم، شعب الایمان بیہقی، مسند احمد، مؤطا مالک اور طبقات ابنِ سعد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ صَالِحَ (مَكَارِمَ) الْاَخْلَاقِ)) (10)

''میں مکارمِ اخلاق (صالح اخلاق) کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔''

یوں تو سبھی ارکانِ اسلام ہی انسان میں اخلاقی و روحانی اقدار کے فروغ وارتقاء کا کام کرتے ہیں، مگر روزہ ایسی عبادت ہے کہ یہ باقی ارکان کی نسبت اخلاقیات کے اِتمام و تکمیل کیلئے سب سے اہم تربیّت گاہ اور ایک طویل ٹریننگ ہے، بلکہ اگر ماہ رمضان کے روزوں کو ''ریفریشر کورس'' کا نام دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

دیکھیئے کہ اقرارِ توحید ورسالت اگر چہ مسلمان ہونے کیلئے شرطِ اوّل ہے، مگر پوری زندگی میں صرف ایک ہی بار فرض ہے۔ نماز ہے تو وہ بھی چند منٹوں میں ادا ہو جاتی ہے، اور روزانہ کی پنجگانہ نماز پر صَرف ہونے والا کُل وقت ایک گھنٹہ بھی نہیں بنتا۔ زکوٰۃ سال بھر میں صرف ایک بار ادا کی جاتی ہے اور حج اگر چہ عوام النّاس سے کافی وقت لے لیتا ہے، لیکن جو لوگ باحیثّیت اور اصحابِ دولت و ثروت ہیں، وہ اپنے تیز تر وسائل کی بناء پر مہینوں کی اس مسافت اور عبادت و ریاضت کو ہفتہ عشرہ میں ہی سمیٹ کر فریضۂ حج و عمرہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو سکتے

(10) صحیح الجامع الصغیر للالبانی ۱/۲/۲۸۵ وسلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ۱/۷۵

ہیں اور اگر بحری یا بری راستوں سے وادئ حجاز اور حرمین شریفین تک پہنچنے اور حجِ بیت اللہ میں صَرف ہونے والے کُل وقت کا اندازہ لگائیں تو بھی کھینچ تان کر یہ دو تین ماہ ہی بنتے ہیں، جبکہ یہ حج بھی ایک مسلمان کی زندگی میں اس پر صرف ایک ہی مرتبہ فرض ہے لیکن روزہ۔۔۔۔

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو کہ سنِ تمیز ورُشد سے لیکر تا دمِ واپسیں ہر مسلمان پر ہر سال رمضان المبارک کا پورا مہینہ فرض ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

''تم میں سے جو شخص ماہِ رمضان کو (مقیم وتندرست ہونے کی حالت میں) پائے وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔''

اس ارشاد کی تعمیل ہر سال ایک ماہ یعنی کم از کم تین سو ساٹھ (۳۶۰) گھنٹے کیلئے مسلمان سے اسلامی قواعد وضوابط کی پابندی سے ہی ممکن ہے، کیونکہ اگر ایک روزہ کا وقت صرف بارہ (۱۲) گھنٹے شمار کیا جائے، تو تیس (۳۰) دنوں کے مہینہ کی صورت میں حالتِ روزہ کے اتنے (۳۶۰) گھنٹے ہی بنتے ہیں۔ اور یہ طویل ریاضت انسان میں تطہیرِ قلب، تصفیۂ باطن، تہذیبِ نفس اور ایسے اوصافِ حمیدہ ومحاسنِ جلیلہ پیدا کر دیتی ہے، جو حقیقتاً بلند اخلاق کا طرۂ امتیاز ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روزہ انسان میں تقویٰ و پرہیز گاری کی صفت پیدا کرتا ہے، جو سب سے قیمتی چیز ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی روزے کا فلسفہ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ہی بتایا ہے۔ ''تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

اندازِ تربیّت:

ماہِ رمضان اخلاقی وروحانی تربیت وٹریننگ کا مہینہ ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے روزے کے آداب اور قواعد وضوابط کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا، مثلاً صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤد ونسائی اور موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ

نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَایَرْفُثْ وَلَایَصْخَبْ،فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ:اِنِّیْ صَائِمٌ)) (11)

''تم میں سے جب کسی نے روزہ رکھا ہوا ہو،تو اسے چاہیئے کہ فُحش گوئی وبدکلامی اورسوقیانہ زبان درازی نہ کرے اوراگرکوئی دوسرا شخص اُس سے گالی گلوچ اورلڑائی جھگڑا کرنا بھی چاہے،تو وہ اسے کہہ دے کہ بھئی!میں تو روزے سے ہوں۔''

صحیحین وسنن کی اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے روزہ دارکو زبان پر کنٹرول کرنے اور اسکے تحفظ کاحکم فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ فحش گوئی وبد کلامی،گالی گلوچ اورلڑائی جھگڑے سے کلّی طورپر پرہیز کرنا روزے کےآداب میں سے ہے۔

ایسے ہی صحیح بخاری،سنن ابی داؤد وترمذی اورمسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (12)

''جو روزہ دار روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے اوراس پر عمل کرنے سے باز نہیں رہتا،اللہ تعالیٰ کو اسکے کھانا پینا چھوڑنے (اور بھوکا پیاسا مرنے) کی کوئی ضرورت نہیں۔''

اس ارشادِ گرامی میں یہ بتادیا کہ روزے کی حالت میں جھوٹ نہ بولنا بھی قبولیّتِ روزہ کی ایک شرط ہےاوراگرکوئی شخص روزہ بھی رکھےاور جھوٹ بھی بولتا جائےتواسے روزے کا

(11) بحوالہ ریاض الصالحین،ص ۴۸۵ صحیح الجامع ۱۱۹/۴/۲۔

(12) ریاض الصالحین ص ۴۷۵ وصحیح الجامع ۱۹۹/۴/۲۔

ثواب نہیں ہوگا، وہ خواہ مخواہ ہی بھوک و پیاس برداشت کر رہا ہے۔

معلوم ہوا کہ روزہ صرف اسی چیز کا نام نہیں کہ طلوعِ صبح صادق سے لیکر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے منہ بند کرلیا جائے، بلکہ روزے کے کچھ اور بھی تقاضے ہیں جو اسکی قبولیّت کیلئے ضروری بھی ہیں بلکہ یوں کہہ لیں کہ صرف منہ پیٹ اور شرمگاہ کا ہی روزہ نہیں بلکہ تمام اعضائے جسم کا روزہ ہونا چاہیئے۔ روزہ دار زبان سے فحش گوئی، دروغ گوئی و کذب بیانی یعنی جھوٹ بولنے، گالی گلوچ کرنے، غیبت و چغلی کھانے سے قطعی پرہیز کرے۔ دل و دماغ کو آوارگی و بدخیالی سے روکے اور تصوّرات کی دنیا میں خوابوں کے محل تیار کرنے اور جسمانی و ذہنی عیاشی سے باز رہے۔ آنکھوں کو پریشان نظری سے بچائے۔ ٹی وی، وی سی آر اور انٹرنیٹ وغیرہ پر فلم بینی کرنے اور راہ چلتی عورتوں کو تاڑنے اور تانک جھانک کرنے سے بچے اور اپنے کانوں کو ناجائز باتوں، نازیبا و ناروا آوازوں، گیتوں، گانوں اور موسیقی یا سازوں سے محفوظ رکھے اور جسطرح چغلی کھانے سے زبان کو روکے، اسی طرح ہی چغلی سننے سے کانوں کا تحفّظ کرے۔ کیونکہ یہ تمام برائیاں جہاں معاشرتی ناسور کی حیثّیت رکھتی ہیں وہیں یہ سب امور آدابِ روزہ کے بھی خلاف ہیں۔

جو شخص مہینہ بھر اپنے آپ کو ان برائیوں سے بچاتا رہے گا اسکی ایک طرح کی ٹریننگ یا تربیّت ہوجائے گی، جو ان برائیوں سے بچنے کے لیئے سال بھر اسکے کام آئے گی اور اتنے میں پھر یہ ماہِ مبارک آجائے گا۔

۴) ریفریشر کورس:

ماہِ رمضان المبارک کی ہر سال آمد بھی ربِ کائنات کا ایک احسانِ عظیم ہے کیونکہ دید و شنید کی باتیں اور آموختہ سبق کو بھول جانا انسانی فطرت کا خاصہ ہے، جیسا کہ معروف ہے:

(اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِّنَ الْخَطَأِ وَالنِّسْیَانِ)

''انسان خطا و بھول سے مرکّب ہے۔''

اور گاہے ماہے اسے یاد دہانی کی ضرورت رہتی ہے، جیسے سرکاری تعلیمی اداروں کے اساتذہ کو بھی کبھی کبھی ایک مختصر سا کورس کرایا جاتا ہے تاکہ انکی خوابیدہ تدریسی صلاحیتوں کو جِلا دی جائے اور وہ پھر سے تندہی کے ساتھ تدریسی فرائض وخدمات سرانجام دینے لگیں۔اس کورس کو ہی ''ریفریشر کورس'' کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہی سال کے گیارہ مہینوں میں مسلمان کی عملی قوتوں میں آہستہ آہستہ ضعف وکمزوری درآتی ہے ،تو اتنے میں اللہ کی کرم گُستریوں اور عنایتوں کا مہینہ ''رمضان المبارک'' پھر آجاتا ہے جو روزہ داروں کیلئے اخلاقی وروحانی تربیت گاہ یا ریفریشر کورس کا کام کرتا ہے، انکی عملی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرتا ہے اورانہیں پھر سے نئے جوش وجذبۂ اطاعت کے ساتھ میدانِ عمل میں لا کھڑا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کواس ماہِ مبارک کی سعادتوں سے بہرہور ہونے اوراپنے اعمال کی اصلاح کرنے کی توفیق سے نوازے۔آمین۔

۵) روزہ داروں کا مقام ومرتبہ اور منصبِ عالی:

سابقہ سطور میں ہم عرض کرچکے ہیں کہ رمضان المبارک اخلاقی وروحانی ٹریننگ یا تربیّت کا مہینہ ہےاور دیگرارکانِ اسلام کی نسبت یہ ایک طویل اور کٹھن کورس ہےاور یہ بھی ایک عام دنیاداری اصول اور مسلّمہ قاعدہ ہے کہ کوئی کورس جتنا مشکل اورطویل ہو، اس پر ملنے والا منصب بھی اتنا ہی اعلیٰ اور معزز ہوتا ہےاور ایسا کورس پاس کرنے والوں کو بآسانی کوئی نہ کوئی گزٹڈ پوسٹ یا باعزت سروس مل جاتی ہے۔اسی طرح ہی روزہ داروں کا یہ کورس قدرے کٹھن اورمشکل محسوس ہوتا ہےتو قانون ودستورِالٰہی میں روزہ دار کیلئے انعامات اورمناصب بھی بہت بڑے بڑے ہیں۔مثلاً صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ذکر کیا ہے، جسمیں وہ فرماتا ہے:

((اَلصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ)) (13)

''روزہ خاص میرے لیئے ہے اور اسکا اجر بھی میں ہی عطا کروں گا۔''

یہ روزہ دار کیلیئے کتنا بڑا منصب اور اعزاز ہے۔ صحیح بخاری و مسلم، سنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَّاِحْتِسَاباً غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ)) (14)

''جس نے اللہ تعالیٰ (اور روزے کی فرضیت) پر ایمان رکھتے ہوئے اور خالص رضائے الٰہی کی خاطر رمضانِ شریف کے روزے رکھے، اسکے سابقہ تمام گناہ معاف ہوگئے۔''

جبکہ سنن نسائی و مسند احمد اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَّ اِحْتِسَاباً غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَاتَاَخَّرَ)) (15)

''جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اسی کی رضا جوئی کیلیئے رمضان المبارک کے روزے رکھے اسکے سابقہ اور آئندہ تمام گناہ معاف کردیئے گئے۔''

اندازہ فرمائیں کہ بندۂ مؤمن کو بھلا اور کیا چاہیئے؟

---

(13) ریاض الصالحین ص ۴۷۸۔
(14) ریاض الصالحین، ص ۴۷۹ و صحیح الجامع ۳۰۹/۵/۳۔
(15) صحیح الجامع ایضاً

٦) ابلیس اور جہنّم کے سامنے ڈھال :

صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور نسائی شریف میں نبی کریم ﷺ سے مروی ارشاد ہے:

((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ))(16) ”روزہ ڈھال ہے۔“

نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خذیمہ، مسند احمد اور معجم طبرانی کبیر میں نبی ﷺ سے مروی ارشاد ہے:

((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ ، یَسْتَجِنُّ بِهَا الْعَبْدُمِنَ النَّارِ))(17)

”روزہ ڈھال ہے۔اللہ کا بندہ انکے ذریعے نارِجہنم سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔“

ان ہر دو احادیث کا مفہوم یہ ہوا کہ اس دنیا کی عملی زندگی میں تو روزہ مسلمانوں کو اپنے ازلی دشمن ابلیسِ لعین سے بچاؤ کیلئے ڈھال کا کام دیتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے جبکہ اُخروی زندگی میں روزہ آگ کے سامنے ڈھال کا کام دیگا اور روزہ دار کو جہنم سے بچائے گا۔

٧) منہ کی بُو:

بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور نسائی والی حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ))(18)

”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، روزے دار کے

(16) صحیح الجامع ٢/٤/١١٩۔

(17) صحیح الجامع، ص٢/٤/١١٤، حدیث نمبر: ٣٨٦٧، صحیح الترغیب: ٩٧٠

(18) ریاض الصالحین، ص٤٧٨ و صحیح الجامع ٢/٤/١١٩۔

منہ کی بُو (وہ نا گوارسی ہوا جو معدہ کے خالی رہنے اور منہ بند ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ کو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔‘‘

بتائیے! اس سے بڑھ کر اور اعزاز کیا ہوگا کہ وہ نا گوارسی ہوا بلکہ بدبو جو خود روزہ دار کو بھی پسند نہیں ہوتی، اسے اللہ رب العزت اِس شرف سے نواز دیتا ہے کہ کستوری بھی اسکے سامنے کیا چیز ہے؟ اور یہ اس ہوا کا کوئی کمال نہیں بلکہ اس ہوا کی پسندیدگی تو دراصل اس بندے کی ادا کی پسندیدگی ہے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل میں اپنے معدے اور پیٹ کو خالی رکھے ہوئے ہے اور دہن بندی کا یہ عالَم ہے کہ مرغوب سے مرغوب چیز اور مشروب کو بھی وہ کام و دہن کے قریب نہیں آنے دے رہا، اس اعزاز وشرف کی وجہ دراصل یہی تعمیلِ ارشاد کی محبوب ادا ہے۔

۸) دوھری فرحت و مسرّت اور دیدارِالٰھی :

اسی مذکورہ سابقہ حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں:

((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُھُمَا؛ اِذَاافْطَرَ فَرِحَ بِفِطْرِہٖ وَاِذَالَقِیَ رَبَّہٗ فَرِحَ بِصَوْمِہٖ)) (وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ ((وَفَرْحَۃٌ عِنْدَلِقَاءِ رَبِّہٖ)) (19)

’’روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں؛ جب وہ روزہ افطار کرتا ہے تو ایک خوشی اسے افطار کی ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:) اور ایک فرحت اسے اپنے پروردِگار سے ملاقات کے موقع پر ملتی ہے۔‘‘

دیدارِ الٰہی........روزہ داروں کا مقدّر .... اللہ اللہ ع
کِس کرم کے ہیں یہ فیصلے

---

(19) حوالۂ سابقہ۔

۹) مہمانِ خصوصی:

ہم اپنی اس دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ جب حکومت کا کوئی خصوصی مہمان ائیر پورٹ پر پہنچتا ہے تو اسے خصوصی مقام (وی۔آئی۔پی۔لاؤنج) میں ٹھہرایا جاتا ہے۔اسکا ائیر پورٹ میں داخلہ اور خروج بھی خاص راستے (وی۔آئی۔پی۔گیٹ) سے ہوتا ہے، جہاں سے عام مسافرین کا گزر ممکن نہیں ہوتا۔ایسے ہی قیامت کے دن روزہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے مہمانانِ خصوصی ہونے کا شرف واعزار حاصل ہوگا اور جس مخصوص دروازے سے یہ ضیوف الرحمٰن یا مہمانانِ الٰہی جنت میں داخل ہونگے ،وہاں سے کسی دوسرے کا گزر ممکن نہیں ہوگا۔چنانچہ صحیح بخاری ومسلم،ترمذی ونسائی اور مسند احمد میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ بَاباً یُقَالُ لَہٗ: اَلرَّیَّانُ یَدْخُلُ مِنْہُ الصَّائِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَا یَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ،یُقَالُ: اَیْنَ الصَّائِمُوْنَ؟فَیَقُوْمُوْنَ،لَایَدْخُلُ مِنْہُ اَحَدٌ غَیْرُھُمْ،فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْہُ اَحَدٌ)) (20)

’’جنت میں ایک دروازے کا نام ’’باب الرّیان‘‘ ہے،جس سے قیامت کے دن روزہ دار (جنت میں) داخل ہونگے اور انکے سوا اس دروازے سے دوسرا کوئی داخل نہ ہونے پائے گا۔کہا جائیگا: روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ اٹھیں گے (اور وہ جنت میں داخل ہوجائینگے) اور دوسرا کوئی وہاں سے داخل نہ ہوسکے گا۔اور جب وہاں داخل ہوجائیں گے تو وہ دروازہ بند کردیا جائیگا اور پھر اس سے کوئی داخل نہ ہوسکے گا۔‘‘

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

(20) صحیح الجامع ۱/۲/۲۱۹۔۲۲۰ وریاض الصالحین،ص ۴۷۹۔

((فِی الْجَنَّةِ ثَمَانِیَةُ اَبْوَابٍ ،مِنْهَا بَابٌ یُسَمّٰی اَلرَّیَّانُ لَا یَدْخُلُ مِنْهُ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ)) (21)

''جنت کے آٹھ دورازے ہیں جن میں سے ہی ایک کا نام ''الرّیان'' ہے،جس سے صرف روزہ دارہی داخل ہوسکیں گے۔''

۱۰) روزہ داروں کیلیئے خصوصی دروازہ(VIP Gate) اور مقامِ صدیق رضی اللہ عنہ:

جنت کے دروازوں کے بارے میں ہی بخاری ومسلم،ترمذی ونسائی اورمسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے، جوقدرے طویل وتفصیلی ہےاوراسمیں جنت کے دروازوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں،مثلاً باب الصدقۃ ،باب الصلوٰۃ ،باب الجہاداور باب الرّیان جوکہ روزہ داروں کےساتھ خاص ہے۔اس حدیث کےآخرمیں یہ بھی مذکورہے کہ(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے مختلف اعمال پرمختلف دروازوں سے بلائے جانے کا ذکرسن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ بلافصل حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:(بندہ جنت میں داخل تو ظاہر ہے کہ ایک دروازے سے ہی ہوگا لیکن):

((فَھَلْ یُدعیٰ اَحَدٌ مِنْ تِلْکَ الْاَبْوَابِ کُلِّھَا؟))

''کیا کوئی ایسا (خوش نصیب وسعادت مند) بھی ہوگا جسے جنت کے سبھی دروازوں سے بلایا جائے گا؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:نَعَمْ، ہاں (کچھ ایسےلوگ بھی ہونگے)

((اَرْجُوْاَنْ تَکُوْنَ مِنْھُمْ)) (22)

---

(21) بحوالہ مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی ۱/۶۱۰۔

(22) بخاری مع الفتح ۴/۹۶، ریاض الصالحین،ص ۴۷۹ ،صحیح الجامع ۳/۵/۲۶۱۔

''مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہو گے۔''

سبحان اللہ! عظمتِ صدیق رضی اللہ عنہ کیلئے دیگر بیشار فضائل ومناقب کے علاوہ یہی مقام ومرتبہ کیا کم ہے کہ صحیحین میں مذکور اس ارشادِ رسالت مآب ﷺ کی رو سے انکے استقبال کیلئے باب الریّان تو کیا جنت کے آٹھوں دروازے ہی کھول دیئے جائیں گے۔

کتاب وسنّت میں مذکور فضائل ومناقبِ صدیق رضی اللہ عنہ کی قدرے تفصیل تو ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب ''سیرتِ امام الانبیاء ﷺ'' کے حصہ دوم میں ذکر کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف یہ بات بطورِ خاص عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کتابُ اللہ کے بعد اس صفحۂ ہستی پر سب سے صحیح ترین کتاب صحیح بخاری اور ثانیٔ صحیحین مسلم شریف کی شانِ صدیق کے بارے میں اس ''متفق علیہ'' شہادتِ صدق وعدل کے باوجود بھی اگر کسی کی ایمانِ صدیق اور عظمتِ صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں تشفّی نہ ہو اور وہ شک وشبہ میں مبتلا رہے، انکی شان میں گستاخیاں کرے اور زبان درازی کرے، تو پھر اُسکی شومیٔ قسمت اور بدنصیبی بلکہ وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔

۱۱) ابوابِ جنت ورحمت کا کُھلنا:

ماہِ رمضان المبارک کے فضائل وبرکات میں سے ہی ایک یہ بھی ہے کہ اس ماہ کے دوران اللہ تعالیٰ جنت ورحمت کے دروازے کھول دیتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم، دارمی اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا دَخَلَ شَھْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ))

''جب ماہِ رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔''

بخاری ودارمی کے سوا دیگر کتبِ حدیث میں ((فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ)) کی بجائے ((فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ)) ہے کہ ''جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔''

اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے:

((فُتِحَتْ اَبْوابُ الرَّحْمَةِ))(23)

''رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔''

ان تینوں روایتوں میں محض لفظی فرق ہے ورنہ مفہوم و مطلب تینوں کا ایک ہی ہے۔ جسکی تفصیل تھوڑا آگے چل کر آنے والی ہے۔

۱۲) ابوابِ جھنم اور شیاطین کا بندھونا:

ماہِ رمضان المبارک کی ان برکات کے ساتھ ساتھ اسی حدیثِ سابقہ میں یہ بھی مذکور ہے:

((وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ(النَّارَ) وَسُلْسِلَتِ(صُفِّدَتِ) الشَّيَاطِيْنُ))(24)

''اور (ماہِ رمضان المبارک میں) نارِ جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو بیڑیاں پہنا کر بند (پابندِ سلاسل) کر دیا جاتا ہے۔''

رمضان المبارک کی آمد پر آسمان، جنت یا رحمت کے دروازوں کا کھولا جانا اور جہنم یا نارِ جہنم کے دروازوں کا بند کیا جانا اور سرکش شیطانوں (ابلیس اور اسکے ساتھیوں) کا قید و بند کیا جانا۔ یہ سب اس ماہ کی فضیلت اور روزہ داروں کیلئے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتیں ہیں۔

بست وکشاد کی شرح وتفصیل:

جنت و رحمت یا آسمانوں کے دروازوں کے کھلنے اور ابوابِ جہنم اور شیاطین کے بند ہونے کا مفہوم یا اس بست و کشاد کا مطلب کیا ہے؟ اس سلسلے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث کے الفاظ کا ظاہری اور حقیقی معنیٰ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ

(23) صحیح الجامع ۱/۱/۳۰۵ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۳/۲۹۲، مشکوٰۃ ۱/۶۱۰، الفتح الربانی ترتیب مسند احمد الشیبانی احمد عبدالرحمٰن البنا ۹/۲۲۵۔

(24) بحوالہ جاتِ سابقہ۔

واقعی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے۔ اور یہ سب اس ماہِ مبارک کی عظمت وحرمت کیلئے ہے اور شیطانوں کو اس لیئے قید وبند میں ڈال دیا جاتا ہے تا کہ وہ (روزہ دار) مؤمنوں مسلمانوں کو ورغلا و بہکا نہ سکیں اور انہیں کوئی دینی ایذاء نہ پہنچا سکیں۔ اور اس حقیقی معنیٰ کی طرح ہی الفاظِ حدیث کا مجازی مفہوم بھی مراد ہوسکتا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرتِ ثواب، عفو وکرم اور شیاطین کے بہت کم بہکانے کی طرف اشارہ ہے۔''

جبکہ معروف مفسّر ومحدّث امام قرطبیؒ رمضان المبارک میں شیطانوں کے پابندِ سلاسل اور پابجولاں کیئے جانے یعنی بیڑیاں پہنائے جانے کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''وہ ایسے روزہ داروں سے بند کردیئے جاتے ہیں جو روزے کی شرائط اور اسکے آداب کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس ماہ میں شرِّ شیطان کا وقوع کم سے کم ہو۔ اور یہ بات محسوس بھی کی جاسکتی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں واقعی دوسرے مہینوں کی نسبت شرّ کا وقوع بہت کم ہوتا ہے۔ اور شیاطین کو بند کردیئے جانے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ شرّ ومعصیت یا نافرمانی قطعاً وقوع پذیر ہی نہ ہو، کیونکہ نافرمانیوں کے واقع ہونے کے اسباب شیطانوں کے علاوہ بعض دوسرے بھی ہیں، جیسے نفوسِ خبیثہ، عاداتِ قبیحہ اور شیاطینِ انس وغیرہ ہیں۔''

امام ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی اِسی سے ملتا جلتا مفہوم بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہاں حقیقی ومجازی دونوں معنے ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ اور دونوں میں ہی کوئی منافات واختلاف

نہیں ہے۔ (25)

اہلِ علم نے شیاطین کے پابہ زنجیر کردیئے جانے کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کوورغلانے، بہکانے اور گناہ ومعصیت میں مبتلا کرنے سے روک دیئے جاتے ہیں۔اس بات کی تصدیق مشاہدے سے بھی ہوتی ہے کہ اس ماہ میں تمام مساجد بھری رہتی ہیں اور اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود وہ اپنی تنگ دامانی پر شکوہ کناں ہوتی ہیں۔اور فسق وفجور، جوروجفا،مکر وفریب، کذب ودجل اور عیاشی وفحاشی جیسی تمام اخلاقی وسماجی اور معاشرتی ودینی برائیاں کم ہوجاتی ہیں۔

سوال:

کسی کے ذہن میں ایک سوال آسکتا ہے اور وہ پوچھ سکتا ہے کہ جب رمضان المبارک میں شیاطین کو قید وبند میں جکڑ دیا جاتا ہے تو پھر پورا مہینہ کسی بھی برائی کا ظہور نہیں ہونا چاہیئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماہِ رمضان میں بھی کچھ بدبخت وکم نصیب لوگ بدکاریوں کے ارتکاب سے باز نہیں آتے۔آخر اسکی کیا وجہ ہے؟

جواب:

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو امام قرطبی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ نافرنیوں اور برائیوں کے وقوع پذیر ہونے کے اسباب میں سے شیطانوں کے علاوہ بھی کچھ اشیاء ہیں، جیسے نفوسِ خبیثہ، عاداتِ قبیحہ اور شیاطینِ اِنس وغیرہ۔

جبکہ اسکا دوسرا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگ رمضان المبارک میں بھی گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہتے، وہ ایسے خفتہ بخت وبدنصیب ہوتے ہیں کہ برائی انکی رگ رگ میں سما چکی ہوتی ہے اور وہ اس سے باز نہیں رہ سکتے، جیسے مارگزیدہ شخص ہے کہ سانپ کے

(25) مختصراً از بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۹/۲۲۵۔۲۲۷ طبع دار الشہاب، قاہرہ۔

ڈس جانے کے بعد بھی دیر تک اس کے زہر کے اثر سے درد محسوس کرتا رہتا ہے، اسی طرح ہی یہ لوگ شیطان گزیدہ روحوں کے مالک ہوتے ہیں اور سال بھر کے گناہوں کی کثرت سے انکے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جیسا کہ سورۃ المطفّفین، آیت: ۱۴ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿بَلْ، رَانَ علٰی قُلُوْبِهِمْ﴾

''انکے دلوں پر تو زنگ چڑھ چکا ہے۔''

ایسے لوگ رمضان و غیر رمضان، ہر ماہ میں ایک ہی ڈگر پر چلتے چلے جاتے ہیں، انہیں کسی شیطان کے بہکانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یا پھر یوں سمجھیئے کہ لوہے کے ایک ٹکڑے کو آگ میں تپاتے تپاتے انگارے کی طرح سرخ کرلیں، پھر اسے تھوڑی سی دیر کیلئے پانی میں ڈبو کر نکال لیں تو وہ گرم ہی نکلے گا (اگرچہ اسکی گرمی کا زور ٹوٹ ہی کیوں نہ گیا ہو) ایسے ہی شیطان گزیدہ اور زنگ آلودہ روحیں گیارہ ماہ کی تپشِ گناہ سے تپتے تپتے انگارہ نما لوہے کے ٹکڑے جیسی ہو جاتی ہیں، اور نزولِ رحمت کے اس مہینے کی ٹھنڈک انہیں ٹھنڈا نہیں کر پاتی کہ برائی کرتے ہوئے اسے شرم دامن گیر ہو یا حجاب آئے، بلکہ وہ اپنی عادت کے ہاتھوں کھلونا بنے، شرم وحیاء کے تمام پیمانوں کو پسِ پشت ڈالے رمضان المبارک میں بھی برائی کے ارتکاب سے باز نہیں آتے۔ **اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ.**

ایسے لوگوں کو دربارِ الٰہی کی چوکھٹ پر گر کر خلوصِ دل سے توبہ تائب ہو جانا چاہیئے تاکہ انکے دلوں کا زنگ دور ہو اور ان پر رحمتِ الٰہی کی بارش اثر انداز ہو۔ اور ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ)) (26)

---

(26) ابن ماجہ، معجم طبرانی کبیر، حلیۃ الاولیاء ابونعیم، مسند الشہاب للقضاعی وتاریخ جرجان للسہمی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ والمعرفہ ابن مندہ وحلیۃ الاولیاء ابونعیم عن ابی سعید الانصاری رضی اللہ عنہ وشعب الایمان بیہقی، تاریخ دمشق ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، حدیث کا اتنا ٹکڑا شواہد کی بناء پر حسن درجہ کا ہے، جیسا کہ شیخ البانی نے صحیح ابن ماجہ ۲/ ۴۱۸ وصحیح الجامع ۲/ ۳/ ۵۷ وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ۲/ ۸۳ میں لکھا ہے۔

''کسی گناہ سے توبہ کر لینے والا اسطرح ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔''

۱۳) ماہِ رمضان: ماہِ قرآن:

ماہِ رمضان المبارک کے فضائل و برکات کا تذکرہ اسوقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک کہ ان میں اس بات کا ذکر نہ آجائے کہ اس ماہِ مبارک کو ہی یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اسمیں قرآنِ کریم نازل ہوا، تو گویا یہ ماہِ رمضان، ماہِ قرآن بھی ہے کہ اسی ماہ کی ایک برکت وعزت اور قدر والی رات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دستورِ حیات، قرآنِ کریم کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا میں واقع بیت العزّۃ تک نازل فرمایا اور پھر وہاں سے تئیس (۲۳) سال کے دوران تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت نبی ﷺ پر نازل کیا جاتا رہا۔ چنانچہ سورۂ دخان، آیت: ۳۔۴۔۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا اَنزَلنَاہُ فِیْ لَیلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنذِرِینَ ○ فِیْھَا یُفرَقُ کُلُّ اَمرٍ حَکِیْمٍ ○ اَمْراً مِّنْ عِندِنَا﴾

''ہم نے کتاب (قرآنِ کریم) کو ایک بڑی ہی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا، اور ہم لوگوں کو متنبّہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اُسی رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔''

۱۴) حکیمانہ فیصلوں کی رات:

ان آیاتِ کریمہ سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ پیدائش و اموات اور رزق وغیرہ کے فیصلے معروف بات کے مطابق ۱۵ شعبان (المعروف شبِ برات) کو نہیں ہوتے بلکہ رمضان المبارک کی اس بابرکت رات میں ہوتے ہیں جس میں قرآنِ کریم نازل کیا گیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خود خیر و برکت والی رات قرار دیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ جو شخص فیصلوں والی اس

رات کو ۱۵ شعبان کی رات کہے اسکا قول بعید از حقیقت ہے۔ (27)

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی رات مراد ہے۔ پندرہ (۱۵) شعبان والا قول باطل ہے۔''(28)

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے بھی حکیمانہ فیصلوں کی رات، اسی رات کو قرار دیا ہے، جسمیں قرآن اتارا گیا تھا۔ (29)

اس (پندرھویں شعبان کی) رات کو جو ''شبِ برات'' یا ''شبِ قدر'' کہا جاتا ہے، یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ احادیثِ شریفہ اور فقہاء و محدّثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شبِ برات یا شبِ قدر کے الفاظ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اور نہ ہی آج تک عربوں میں یہ رات ایسے ناموں سے معروف ہے۔ یہ نام صرف برِ صغیر کی حد تک ہی ہیں۔ اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالے سے آیا ہے۔ اور ویسے بھی شبِ قدر یا شبِ برات سے مراد دراصل وہ لیلۃ القدر ہی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے اس امت کیلئے نظامِ زندگی مہیّا کیا اور جادۂ حق کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، لہٰذا یہ تعیّن کرنا ہوگا کہ نزولِ قرآن کی رات کونسی ہے؟ اور اسکے ساتھ ہی شبِ قدر یا شبِ برات بھی طے ہوجائیگی کہ وہ کونسی ہے؟ قرآنِ کریم کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا تھا؟ اس رات کی صراحت خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ

(27) ابن کثیر مترجم اردو ۵/۶۷۔ ترجمہ مولانا محمد ابراہیم جونا گڑھی

(28) احکام القرآن ۴/۱۶۹ طبع بیروت، والابداع فی مضار الابتداع للشیخ علی محفوظ، ص ۲۹۱ طبع وتوزیع دارالاصلاح۔ دمّام

(29) حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو ص ۳۸۲، ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی طبع دارالاشاعت، کراچی

الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ ﴾

''رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو اور اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے مہینے کا تعیّن فرمادیا ہے جو کہ رمضان المبارک ہے۔اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر تیسویں پارے کی سورۂ قدر میں موجود ہے۔ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾

''ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا۔''

یہ شبِ قدر صحیح حدیث کی رو سے ماہِ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر اُن میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱،۲۳،۲۵،۲۷یا۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔(30)

اور نزولِ قرآن کی رات کو سورۂ دخان کے شروع میں شبِ مبارک فرمایا گیا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿حٰمٓ ۝ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ۝ فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۝ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ﴾

''حاء،میم۔قسم ہے اس کتابِ مبین کی، ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا۔اور ہم لوگوں کو (اپنے عذاب کے بارے میں) متنبّہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔اسی میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے ہمارے پاس سے حکم لے کر۔''

(30) صحیح بخاری و مسلم بدون لفظ: الوتر، ترمذی، موطا مالک مرسلاً، بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ۱؍۶۴۴ بتحقیق الالبانی ومع المراۃ ۴؍۳۰۲ طبع سانگلہ ہل

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں۔اُن کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کردیا جاتا ہے۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیدائش واموات،خوشی وغم اوررزق وفقر کے جوبھی فیصلے ہوتے ہیں وہ اُسی مبارک شب میں ہوتے ہیں جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا۔اوروہ شبِ مبارک شبِ قدررمضان میں ہے نہ کہ ماہِ شعبان میں۔اورشب فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا اورقدرتو ہردوزباں میں مشترک ہے۔لہٰذا ''لیلۃ القدر'' کوفارسی میں ''شبِ قدر'' کہاجاتا ہے۔حالانکہ یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات کودیا ہے۔البتہ سورۂ دخان کی مذکورہ آیت میں جو لَیُلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ کے الفاظ آئے ہیں،ان سے بعض لوگوں نے پندرہ شعبان کی رات مراد لی ہے۔لہٰذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ دخان کی مذکورہ آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے ذکرکردی جائے۔

چنانچہ معالم التنزیل المعروف تفسیر خازن میں ہے:

(قَالَ قَتَادَۃُ وَابُنُ زَیُدٍ : ھِیَ لَیُلَۃُ الُقَدُرِ اَنُزَلَ اللّٰہُ الُقُرآنَ فِیُ لَیُلَۃِ الُقَدُرِ)

''حضرت قتادہ اورابن زید رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ لیلۂ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کیا۔''

اورآگے لکھا ہے:

(قِیُلَ :ھِیَ لَیُلَۃُ النِّصُفِ مِنُ شَعُبَانَ)[31]

''یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نصفِ شعبان کی رات ہے۔''

یہاں یہ بات یادرہے کہ اہلِ علم کے نزدیک جو بات صحیح ترہو پہلے اسے معروف کے صیغے سے ذکرکردیا جاتا ہے۔اورجوغیرمعتبراقوال ہوں انہیں مجہول کے صیغہ ''قیل'' کے بعد لایا

(31) تفسیر خازن ۱۴۳/۵

جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، اور ایسے ہی دیگر مقامات اور دیگر مسائل میں بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی کہ امام خازن کے نزدیک حضرت قتادہ اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہما کی تفسیر ہی زیادہ معتبر اور صحیح تر ہے۔ اور ان کے نزدیک یہاں لیلۂ مبارکہ سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مُراد ہے نہ کہ نصف شعبان والی رات اور یہ دوسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے۔

تفسیر جامع البیان میں جمہور اہلِ علم کا مسلک یہی ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے۔ البتہ مرجوح قول ذکر کرنے کے لیئے یہ بھی لکھا ہے:

(وَعَنْ بَعْضٍ: هِيَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ)(32)

"بعض کے نزدیک اس سے نصفِ شعبان کی رات مراد ہے۔"

دوسری مختصر تفسیر جلالین میں تفسیر المدارک کے حوالے سے لکھا ہے:

(هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اَوْلَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ)(33)

"اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے یا پھر نصف شعبان والی رات۔"

اس سے آگے اس لیلۂ مبارکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات میں قرآنِ کریم ساتویں آسمان (لوحِ محفوظ) سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا، اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے:

(وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى الْاَوَّلِ)(33)

"جمہور اہلِ علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی یعنی رمضان المبارک والی رات لیلۃ القدر مراد ہے۔"

---

(32) جامع البیان، ص ۴۲۰

(33) تفسیر جلالین، ص ۶۵۶ طبع دار المعرفہ، بیروت

معروف محدّث ومجتہداور مفسّرِ قرآن امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

(اَللَّیُلَةُ الُمُبارَکَةُ،لَیُلَةُ الْقَدُرِ ، کَمَافِیُ قَوُلِہٖ تَعَالیٰ ﴿اِنَّا اَنُزَلُنٰہُ فِیُ لَیُلَةِ الُقَدُرِ﴾ وَلَهَا اَرُبَعَةُ اَسُمَاءٍ اَللَّیُلَةُ الُمُبارَکَةُ وَلَیُلَةُ الُبَرَاءَ ةِ وَلَیُلَةُ الصَّکِ)

''لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ﴿اِنَّا اَنُزَلُنٰہُ فِیُ لَیُلَةِ الُقَدُرِ﴾ میں مذکور ہے۔اوراس کے چار نام ہیں یعنی لیلۂ مبارکہ،لیلة البراء ۃ،لیلة الصک (یعنی اقرارنامہ کی رات اور لیلة القدر.)''

آگے چل کر لکھتے ہیں:

عکرمہؒ نے اس سے شعبان کی رات مراد لی ہے مگرحق یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے کہ اس سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مجمل ذکر فرمایاہے مگرسورۂ بقرہ کی آیت ﴿شَهُرُ رَمَضَانَ الَّذِیُ اُنُزِلَ فِیُهِ الُقُرُاٰنُ﴾ میں واضح کردیا ہے۔اسی طرح سورۂ قدر ﴿اِنَّا اَنُزَلُنٰہُ فِیُ لَیُلَةِ الُقَدُرِ﴾ میں بھی وضاحت موجود ہے۔اور اس واضح بیان کے بعدکوئی وجہ ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ اختلاف کیا جائے۔اور نہ ہی کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔[34]

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس رات سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر المعروف تفسیر کبیر میں لیلۂ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

---

(34) فتح القدیر شوکانی ۴/۵۷۰ دار الفکر بیروت، تفسیر سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵ وسورۃ القدر

(اَلْقَائِلُوْنَ بِأَنَّ الْمُرَادَ مِنَ اللَّیْلَةِ الْمُبَارَکَةِ الْمَذْکُوْرَةِ فِیْ ھٰذِہِ الْآیَةِ ھِیَ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَمَارَاَیْتُ لَھُمْ دَلِیْلاً یُعَوَّلُ عَلَیْہِ)(35)

''جولوگ کہتے ہیں کہ (سورۂ دخان کی) اس مذکورہ آیت میں لیلۂ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے،ان کے پاس کوئی قابلِ اعتماد دلیل نہیں ہے۔''

اسی طرح معروف محدّث ومورّخ اور معتبر مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں جمہور کے مسلک کی ہی تائید کی ہے کہ اس رات سے رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔اوراس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

(مَنْ قَالَ اَنَّھَا لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقَدْ أَبْعَدَالنَّجْعَةَ فَاِنَّ نَصَّ الْقُرْاٰنِ اَنَّھَا فِیْ رَمَضَانَ)(36)

''جوشخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہےاس کی بات دور کی کوڑی یا بعید از حقیقت ہے کیونکہ نصِّ قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے۔''

قاضی ابوبکر ابن العربی،احکام القرآن میں رقمطراز ہیں:

(جُمْھُوْرُ الْعُلَمَاءِ عَلٰی أَنَّھَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ وَمِنْھُمْ مَنْ قَالَ:اِنَّھَا لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَھُوَبَاطِلٌ،لِأَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ فِیْ کِتَابِہٖ الصَّادِقِ الْقَاطِعِ ﴿شَھْرُرَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنِ﴾ فَنَصَّ عَلٰی أَنَّ مِیْقَاتَ نُزُوْلِہٖ رَمَضَانَ،ثُمَّ عَنْ زَمَانِیَةِ اللَّیل ھٰھُنَا بِقَوْلِہٖ ﴿فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَکَةٍ﴾وَلَیْسَ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَدِیْثٌ

(35) تفسیر کبیر امام رازی رحمہ اللہ طبع بیروت
(36) مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی ۱۹۸۴ طبع اول

يُعَوَّلُ عَلَيْهِ لَا فِيْ فَضْلِهَا وَلَا فِيْ نَسْخِ الْأَجَالِ فِيْهَا فَلَا تَلْفِتُوْا اِلَيْهَا) (37)

''جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔اور پندرہ شعبان والاقول باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صادق اور قاطعِ نزاع کتاب (قرآنِ کریم) میں فرمایا ہے: (رمضان المبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) اس طرح اللہ تعالیٰ نے نص مہیا فرمادی کہ نزولِ قرآن کا مہینہ، ماہِ رمضان ہے۔ پھر یہاں اُس کے وقت کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا: ''اس مبارک رات میں''۔
اور نصف شعبان والی رات کی فضیلت اور نسخِ آجال (اموات) کے بارے میں کوئی قابلِ اعتبار اور قابلِ اعتماد حدیث نہیں ہے۔''

ان تفسیری حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سورۂ دخان کی آیت: ۳ میں مذکورہ رات، رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، نہ کہ شعبان والی رات۔

تفسیری کُتب کی طرح ہی شروحِ حدیث میں بھی یہی بات کہی گئی ہے، مثلاً:

معروف حنفی محدّث ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

''بعض اسلاف کا خیال ہے کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، لیکن یہ قول نصوصِ قرآن کے مخالف ہے کیونکہ قرآن کا نزول رمضان میں لیلۃ القدر میں ہوا ہے۔لہٰذا لیلۂ مبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔اس طرح اس آیت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''(38)

---

(37) احکام القرآن ابن العربی ۴/۱۶۹ طبع دار المعرفہ، بیروت الابداع، ص۲۹۱ وفوائد سلفیہ (اشرف الحواشی) مولانا محمد عبدہٗ الفلاح، طبع لاہور

(38) بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۳/۴۴۲

جبکہ محدّثِ برِّ صغیر علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی میں رقمطراز ہیں: ''بے شک آیت ﴿اِنَّـا اَنْـزَلْـنَـاہُ فِـیْ لَیْلَةٍ مُّبَـارَکَةٍ﴾ میں لیلۂ مبارکہ سے مراد، جمہور اہلِ علم کے نزدیک (رمضان المبارک کے آخری عشرہ والی) لیلۃ القدر ہے۔ بعض اسے نصف شعبان کی رات سمجھتے ہیں، مگر جمہور کا مسلک ہی صحیح ہے۔''(39)

اس موضوع کی مذکورہ تفصیل ہماری کتاب ''قبولیتِ عمل کی شرائط'' ص ۳۰۹۔۳۱۶ پر ''شبِ قدر، شبِ براءت، شبِ نصف شعبان'' کے زیرِ عنوان بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۵) لیلۃ القدر کی فضیلت؛ ہزار ماہ سے زیادہ اجروثواب:

رمضان المبارک کی جس رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل فرمایا، اسے اللہ تعالیٰ نے تیسویں پارے کی سورۂ قدر میں لیلۃ القدر (قدر والی رات) قرار دیا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَالَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْـرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَـنَـزَّلُ الْـمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ قف هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ (سورۃ القدر: ۱ تا ۵)

''ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا، آپ کیا جانیں کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح (الامین جبرائیل) اسمیں اپنے رب کے اِذن سے ہر حکم لیکر اترتے ہیں، وہ رات سراسر سلامتی ہے، طلوعِ فجر تک۔''

اس سورت میں نزولِ قرآن کی رات اور اسکے فضائل وبرکات ذکر فرمائے گئے ہیں اور قرآن کے اس رات میں نازل کیئے گئے ہونے کی وجہ سے اس رات کو یہ مقام حاصل ہوگیا ہے کہ اس

(39) حوالۂ سابقہ

ایک رات کی عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینے (تراسی سال اور چار ماہ) کی عبادت کے ثواب سے زیادہ ہے۔

اس رات کی تلاش اور اسمیں عبادت کر کے ہزار ماہ سے زیادہ اجر وثواب حاصل کرنے کے لیئے نبی اکرم ﷺ نے ''اعتکاف'' کیا اور اپنی امت کے لیئے اسے مشروعیت کا درجہ بخشا جسکے بارے میں یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ رات چونکہ رمضانِ شریف کے آخری عشرہ (دس دنوں) میں سے ایک ہے، لہٰذا آپ ﷺ اس رات نہ صرف یہ کہ خود عبادت کیلیئے کمر بستہ ہوجاتے بلکہ اپنے اہلِ خانہ کو بھی اسکی ترغیب دلاتے اور جگاتے تا کہ وہ بھی اس سعادت کو سمیٹ سکیں۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد ونسائی اور ابن ماجہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، شَدَّمِئْزَرَہٗ وَاَحْیَا لَیْلَہٗ وَاَیْقَظَ اَھْلَہٗ)) (40)

''جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر بستہ اور چاک و چو بند ہوجاتے اور شب زندہ داری (قیام اللیل) فرماتے اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی جگا لیتے تھے۔''

جبکہ صحیح مسلم وترمذی اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَجْتَھِدُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا یَجْتَھِدُ فِیْ غَیْرِہٖ)) (41)

''نبی ﷺ عبادتِ الٰہی میں جتنی محنت (رمضان المبارک کے) آخری عشرہ میں کیا کرتے تھے، اتنی دوسرے ایام میں سے کسی میں نہیں کیا کرتے تھے۔''

---

(40) بحوالہ صحیح الجامع ۲/۴/۲۱۷، مشکوٰۃ ۱/۶۴۵ (41) صحیح الجامع ۲/۴/۲۵۶، مشکوٰۃ ۱/۶۴۵

لیلۃ القدر کی عدمِ تعیین:

اس رات کو آخری عشرہ کی چند راتوں میں بطورِ خاص تلاش کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے لیکن کسی ایک رات کی تعیین نہیں فرمائی، چنانچہ ابوداؤد، مسند احمد اور معجم طبرانی میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَحَرَّوُا لَیْلَةَ الْقَدْرِ لَیْلَةَ ثَلاثٍ وَّعِشْرِیْنَ)) (42)

''لیلۃ القدر کو تیئیسویں رات میں تلاش کرو۔''

صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و مسند احمد، موطا مالک اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَحَرَّوُا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ)) (43)

''لیلۃ القدر کو آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔''

ابوداؤد، مسند احمد اور مسند طیالسی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((تَحَرَّوُا لَیْلَةَ الْقَدْرِ، فَمَنْ کَانَ مُتَحَرِّیْهَا فَلْیَتَحَرَّهَا فِیْ لَیْلَةِ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ)) (44)

''لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ اور جو اسے تلاش کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ ستائیسویں رات میں تلاش کرے۔''

لیکن اس سلسلہ میں صحیح اور ساتھ ہی مبنی بر احتیاط حدیث وہ ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جسمیں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((تَحَرَّوُا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (45)

---

(42) بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۶۴۵ و صحیح الجامع ۲/۳/۳۶ (43) صحیح الجامع ۲/۳/۳۶
(44) حوالہ سابقہ، ص ۳۵ و مشکوٰۃ ۱/۶۴۴ و الصحیحۃ ۳/۴۵۵ (45) صحیح الجامع، ص ۳۶، مشکوٰۃ ۱/۶۴۴

’’لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں (۲۱،۲۳،۲۵،۲۷،
۲۹) میں تلاش کرو۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری وابوداؤد اور مسند احمد میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِلْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ،لَیْلَةُ الْقَدْرِ: فِیْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰی ،فِیْ سَابِعَةٍ تَبْقٰی ،فِیْ خَامِسَةٍ تَبْقٰی)) (46)

’’اس رات کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو،لیلۃ القدر اکیسویں [۲۱]، تئیسویں [۲۳] یا پچیسویں [۲۵] رات ہے۔‘‘

معجم طبرانی، مسند احمد اور المختارۃ للضیاء میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِلْتَمِسُوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ،فَاِنِّیْ قَدْ رَأَیْتُهَا فَنَسِیْتُهَا)) (47)

’’لیلۃ القدر کو آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ میں نے وہ رات دیکھی مگر پھر بھول گیا۔‘‘

صحیح ابن خذیمہ اور قیام اللیل مروزی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِلْتَمِسُوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ آخِرَ لَیْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ)) (48)

’’لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری رات میں تلاش کرو۔‘‘

(46) مشکوٰۃ ۱/۶۴۴ وصحیح الجامع ۱/۱/۳۹۴

(47) بحوالہ صحیح الجامع ۱/۱/۳۹۳

(48) صحیح الجامع ۱/۱/۳۹۳ والصحیحۃ ۳/۴۵۷۔۴۵۸

معجم طبرانی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِلْتَمِسُوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ لَیْلَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ)) (49)

''لیلۃ القدر کو رمضان کی ستائیسویں رات میں تلاش کرو۔''

صحیح مسلم وابوداؤد، مسند احمد وطیالسی اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِلْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ اِلْتَمِسُوْهَا فِی التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ)) (50)

''اسے رمضان کے آخری عشرے میں اور اسکی بھی نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔''

صحیح مسلم وابوداؤد (۱۲۵۲) میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں کی وضاحت بھی کی ہے کہ ان سے مراد اکیسویں، تیئسویں اور پچیسویں راتیں ہیں۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۳/۴۵۶) اور یہی مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک سابقہ حدیث کا ہے اور ایسی ہی ایک حدیث ترمذی، مسند احمد، مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور شعب الایمان بیہقی میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسمیں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((اِلْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ: فِیْ تِسْعٍ تَبْقَیْنَ، اَوْسَبْعٍ تَبْقَیْنَ اَوْ خَمْسٍ تَبْقَیْنَ اَوْ ثَلَاثٍ تَبْقَیْنَ اَوْ آخِرِ لَیْلَةٍ)) (51)

''اسے رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا آخری (انتیسویں) رات میں۔''

---

(49) صحیح الجامع ۱/۱/۳۹۳

(50) الصحیحۃ ۳/۴۵۶ وصحیح الجامع ۱/۱/۳۹۴

(51) صحیح الجامع ۱/۱/۳۹۴، مشکوٰۃ ۱/۶۴۶

صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤ دوابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رمضان کے پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا۔ پھر ایک چھوٹے سے قبّے میں دوسرے عشرے کا اعتکاف فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرِ اقدس کو باہر نکالا اور فرمایا:

((اِنِّیْ اَعْتَکِفُ الْعَشْرِ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ االَّیْلَةَ، ثُمَّ اَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ، ثُمّ اُتِیْتُ فَقِیْلَ لِیْ: اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ کَانَ اِعْتَکَفَ مَعِیْ فَلْیَعْتَکِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرِ. فَقَدْرَاَیْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَاءٍ وَطِیْنٍ مِنْ صَبِیْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ اِلْتَمِسُوْهَا فِیْ کُلِّ وِتْرٍ))

”میں نے لیلۃ القدر کی تلاش میں رمضان کے عشرۂ اول کا اعتکاف کیا، پھر عشرۂ اوسط کا اعتکاف کیا۔ پھر (ہاتفِ غیب کی طرف سے) مجھے کہا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے۔ لہٰذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے وہ آخری عشرہ میں کرے، مجھے یہ رات دکھائی گئی اور پھر بھلادی گئی۔ اس رات کی صبح کو میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں پانی اور مٹی پر سجدہ کر رہا ہوں۔ تم اس رات کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

آگے راویٔ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”اس رات بارش ہوئی اور مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی، لہٰذا بارش کا پانی مسجد میں ٹپکتا رہا۔ اور میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اکیسویں رات کی صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانیٔ مبارک پر پانی اور مٹی (گارے) کے آثار نمایاں تھے۔ (یعنی گیلی جگہ پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پیشانی پر مٹی لگی ہوئی تھی۔)“(52)

(52) مشکوٰۃ ۱/۶۴۴۔۶۴۵ ومع المرعاۃ ۴/۳۰۳۔۳۰۵

اس حدیثِ شریف میں لیلۃ القدر کے اکیسویں رات ہونے کا تذکرہ ہے، جبکہ صحیح مسلم وابوداؤد، ترمذی ونسائی، دارقطنی اور مسند حمیدی میں حضرت زر بن حُبیش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا اور کہا کہ تمہارے بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ جو شخص سال بھر کی ہر رات کو قیام کرے وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ تو حضرت ابیّ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے، انہیں یہ تو معلوم ہے کہ یہ رات رمضان میں اور رمضان کے بھی آخری عشرہ میں بلکہ ستائیسویں رات ہے۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ لوگ (یہ جان لینے کے بعد) کہیں اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں (لہٰذا سال بھر کے قیام اللیل کا مشورہ دیتے ہیں) اور پھر حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے بلا استثناء (یقینی انداز سے، ان شآء اللہ کہے بغیر) حلفیہ (قسم کھا کر) کہا کہ وہ رات رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ اس پر زر بن حُبیش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: اے ابومنذر! یہ بات آپ اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

((بِالْعَلَامَةِ اَوْبِالْآيَةِ الَّتِیْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ يَوْمَئِذٍ لَاشُعَاعَ لَهَا)) (53)

"اس علامت یا نشانی کی بناء پر کہ جو ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے کہ اس رات کے بعد صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اسکی شعاعیں (کرنیں) نہیں ہوتیں۔"

یہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث ہیں جن میں سے بعض میں اکیسویں رات کو، بعض میں تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں رات کو اور بعض میں انتیسویں رات کو لیلۃ القدر قرار دیا گیا ہے لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اَحْوَط (سب سے زیادہ مبنی بر احتیاط) عمل یہ ہے کہ آخری عشرے کی سبھی راتوں میں قیام کیا جائے ورنہ کم از کم

(53) مشکوٰۃ ۱/۶۴۵ و مع المرعاۃ ۴/۳۰۵۔۳۰۶

طاق راتوں میں، اوران پانچ طاق راتوں میں سے ہی ایک وہ رات ہے۔

شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی رحمہ اللہ نے لیلۃ القدر کو دو قسموں میں تقسیم کر کے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک وہ ہے جسمیں امورِ حکیمہ کی تقسیم ہوتی ہے اوراسی میں قرآن اترا تھا جبکہ دوسری وہ رات ہے جسمیں روحانیّت کا عالَم کے اندر پھیلاؤ ہوتا ہے۔ (54)

شبِ نزول قرآن کی دعاء:

یہیں اس بات کی وضاحت بھی کر دیں کہ اگر کسی خوش نصیب کو رمضان شریف میں قیام اللیل یا ذکر و تلاوت کے دوران علم ہو جائے کہ یہی رات ''لیلۃ القدر'' ہے تو اسے چاہیئے کہ بکثرت یہ دعاء کرے:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ))

''اے اللہ! تو بڑا عفو و کرم اور معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے، مجھے بھی معاف فرمادے۔''

کیونکہ ترمذی، نسائی (فی السنن الکبریٰ)، ابن ماجہ، مسند احمد و بزار اور مستدرک حاکم میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ، مَااَقُوْلُ فِیْھَا؟))

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مجھے علم ہو جائے کہ کونسی رات لیلۃ القدر ہے تو میں کیا دعاء کروں؟''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعاء سکھلائی تھی۔ (55)

---

(54) حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو، ص ۳۸۲،

(55) مشکوٰۃ ۱/۶۴۶ و مع المرعاۃ ۴/۳۰۷

اِخفاء لیلۃ القدر کی حکمت ومصلحت:

صحیح مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی اور مسند احمد کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَقَدْ اُرِیتُ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ ثُمَّ اُنسِیتُھَا)) (56)

''مجھے یہ رات بتائی گئی تھی (کہ کونسی ہے) پھر بھلا دی گئی۔''

اب سوال یہ ہے کہ جب اس رات کی تعیین کردی گئی اور بتادیا گیا کہ وہ رات فلاں ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے بھلا دیئے جانے میں آخر کیا حِکمتِ الٰہی پنہاں تھی؟ اور اسمیں اللہ والوں کی کیا مصلحت پوشیدہ تھی؟

اس کا جواب اشارۃً خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد میں موجود ہے کہ اسکا بھلا دیا جانا ہی مسلمانوں کیلئے بہتر تھا جبکہ خیر وبھلائی اور بہتری سے بڑھ کر کوئی اور مصلحت کیا ہوسکتی ہے؟ چنانچہ بخاری شریف، دارمی، بیہقی، مسند احمد اور موطا مالک (وَلٰکِنْ عَنْ اَنسٍ وَصَوَّبَ ابْنُ عَبْدِالْبِرِّ اِثْبَاتَ عُبَادَۃَ) میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((خَرَجَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِیُخْبِرَنَا بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحیٰ رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، فَقَالَ: خَرَجْتُ لِاُخْبِرَکُمْ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحیٰ فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرُفِعَتْ، وَعَسیٰ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْراً لَّکُمْ، فَالْتَمِسُوْھَا فِی التَّاسِعَۃِ وَالسَّابِعَۃِ وَالْخَامِسَۃِ)) (57)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کیلئے (گھر سے باہر) تشریف لائے۔ اس وقت دو مسلمانوں کا آپس میں (کسی بات پر) جھگڑا

(56) بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۶۴۵ ومع المرعاۃ ۴/۳۰۳۔۳۰۵

(57) مشکوٰۃ ۱/۶۴۷ ومع المرعاۃ ۴/۳۰۸۔۳۰۹

ہو گیا (آپ ﷺ انہیں روکنے میں لگ گئے اور پھر) فرمایا: ''میں نکلا تو تھا تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے، مگر فلاں فلاں آدمی جھگڑ پڑے، تو اس رات کی تعیین اٹھالی گئی۔ اور اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اسے تم (آخری عشرے کی) نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔''

اِس حدیث سے لیلۃ القدر کی تعیین کے رفع ہو جانے کی حکمت و مصلحت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا باہم لڑنا جھگڑنا اس قدر منحوس فعل ہے کہ اسکی نحوست کے نتیجہ میں اتنی مبارک رات کی تعیین رفع کر دی گئی۔

رفعِ تعیین کی حکمت بیان کرتے ہوئے محدّثِ عصر علاّمہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ مِرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں:

''حافظ ابن حجر عسقلانی کے بقول اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اس رات کی تعیین کے اخفاء میں یہ حکمتِ الٰہی کارفرما ہے کہ اسطرح لوگ زیادہ سے زیادہ عبادت اور قیام اللیل میں کوشاں رہیں گے۔ اور اگر تعیین کر دی جاتی تو لوگ صرف اسی ایک رات کے قیام وعبادت پر اکتفاء کر لیا کرتے۔ اور امام رازی سے نقل کرتے ہوئے چار حکمتیں ذکر کی ہیں:

پہلی حکمت:

اللہ نے اس رات کو کئی حکمتوں کی بناء پر لوگوں سے مخفی رکھا، جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے اسے بھی اُسی طرح مخفی رکھا جسطرح دیگر اشیاء کو مخفی رکھا ہوا ہے جیسا کہ اپنی رضاء کو تمام امورِ اطاعت میں مخفی رکھا تاکہ لوگ تمام عبادات میں برضاء ورغبت کوشاں رہیں اور اس نے اپنی ناراضگی کو گناہوں میں مخفی کر رکھا ہے تاکہ لوگ تمام ہی گناہوں سے احتراز کریں۔ ایسے ہی اس رات کو بھی پوشیدہ رکھا تاکہ لوگ رمضان کی تمام راتوں میں بکثرت عبادت کیا کریں۔

دوسری حکمت:

اس رات کو مخفی رکھنے کی دوسری حکمت یہ تھی کہ اگر یہ رات متعیّن کردی جاتی تو جن کی شقاوت وبدبختی غالب آجاتی اور وہ اس رات میں بھی گناہ کر بیٹھتے تو انکے گناہ کی قباحت وشناعت بھی ہزاروں گنا ہی بڑھ جاتی جیسے کہ ثواب بڑھ جاتا ہے۔

تیسری حکمت:

اس رات کو پردۂ اخفاء میں رکھنے کی تیسری حکمت یہ ہے کہ یہ رات اسلیئے پوشیدہ رکھی گئی تاکہ لوگ اسکی تلاش وطلب میں بکثرت کوشش کریں اور زیادہ ثواب کمائیں۔

چوتھی حکمت:

اس رات کی عدمِ تعیین کی چوتھی حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو کسی رات کے لیلۃ القدر ہونے کا یقین نہ ہو تو وہ رمضان کی تمام راتوں میں زیادہ سے زیادہ محنت وعبادت کرتا ہے اور اللہ اپنے فرشتوں کے سامنے فخر یہ کہتا ہے کہ تم کہتے تھے کہ یہ انسان دنیا میں فساد کرینگے، خون ریزیاں کرینگے لیکن دیکھو کہ محض ایک ظنی رات کا ثواب پانے کیلیئے انکی یہ تگ ودو ہے اور اگر انہیں معلوم ہوجاتا کہ وہ رات کونسی ہے تو سوچ سکتے ہو کہ تب اس رات کی عبادت کے سلسلے میں میرے بندوں کا عالَم کیا ہوتا؟(58)

نزولِ قرآن کی کیفیّت:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نزولِ قرآن کی کیفیّت بھی واضح کردی جائے۔چنانچہ امام زرکشی رحمہ اللہ نے ''البرہان فی علوم القرآن'' میں اور سید قطب شہید رحمہ اللہ نے ''فی ظلال القرآن''، ''لمحات فی علوم القرآن'' اور ''دراسات قرآنیہ'' میں اور دیگر اہلِ علم نے اپنی کتب میں نزولِ قرآن کی کیفیّت اور ایسے تدریجی نزول کی حکمتوں کے سلسلہ میں لکھا

(58) بحوالہ المرعاۃ شرح مشکوٰۃ ۴/۳۰۱۔۳۰۲

ہے کہ قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ نے یکبارگی نبی ﷺ پر نازل نہیں فرمادیا تھا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے پورے تئیس سالہ دورِ نبوت میں اسکا نزول مکمل ہوا تھا۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کر دیں کہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے نزولِ قرآن کی کیفیّت کے بارے میں تین اقوال ذکر کیئے ہیں:

① لوحِ محفوظ سے یکبارگی آسمانِ دنیا کے بیت العزت تک نازل کیا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

② ماہِ رمضان میں اسکے نازل کیئے جانے کا معنیٰ یہ ہے کہ صیامِ رمضان کی غرض کیلئے اسے ماہِ رمضان میں نازل کیا گیا۔ یہ قول امام مجاہد اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے۔

③ ماہِ رمضان میں نبی ﷺ پر نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی۔ یہ ابن اسحاق اور ابوسلیمان دمشقی رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔

شیخ عبداللہ بن زید آل محمود رحمہ اللہ (رئیس المحاکم الشرعیہ والشؤن الدینیہ، قطر) نے اپنے رسالے ''کتاب الصیام وفضل شہر رمضان'' میں اسی آخر الذکر قول کو صحیح قرار دیا ہے اور شیخ محمد عبدہٗ (شیخ الازہر) اور انکے شاگردِ رشید علاّمہ محمد رشید رضا مصری سے بھی اسی قول کے صحیح ہونے کی تائید نقل کی ہے۔ اس قول کے صحیح ہونے کی توجیہات اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے اختلاف کی وجوہات بھی ذکر کی ہیں مثلاً:

① یہ بات یقینی ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا ہے۔

② لفظ ''قرآن'' کا اطلاق کبھی پورے قرآن پر ہوتا ہے اور کبھی اسکے بعض اجزاء مراد ہوتے ہیں۔

③ اگر یہ مان لیں کہ قرآن ماہِ رمضان میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا (بیت العزت) تک یکبارگی نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تو یہ تفسیر قرآن کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے، کیونکہ ارشادِ الٰہی تو یہ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ﴾

’’رمضان وہ مہینہ ہے جسمیں قرآن نازل کیا گیا۔‘‘

اور یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ قرآن تو ابھی آسمان پر ہو۔نازل نہ ہوا ہو اور کہا جائے کہ ہم نے آپ پر نازل کردیا ہے؟اور بیت العزت کے واسطہ سے قرآن کے نزول کو ماننے سے قرآن کو مخلوق قرار دینے والوں کو تقویت پہنچتی ہے حالانکہ ان کا خَلقِ قرآن کا قول کتاب وسنّت اور اجماعِ امت کی رو سے باطل ہے۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول انکا اپنا اجتہاد ہے،جس پر بہرصورت انہیں اجر ملے گا۔اور چونکہ انہوں نے اپنی تائید میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی اور یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں اجتہاد کی گنجائش ومجال نہ ہو۔لہٰذا انکے اجتہاد پر مبنی انکی یہ رائے واجب القبول نہیں ہے۔

⑤ انکے بعض تفسیری اقوال سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ،امام مجاہد اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف کرنا ثابت ہے جبکہ بالاتفاق وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے علمِ تفسیر کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے،بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے:

(کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَی الْغَیْبِ عَنْ سِتْرٍ رَقِیْقٍ)

’’گویا وہ باریک پردے سے غیب کی طرف دیکھتے ہیں۔‘‘

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لیئے یہ دعاء فرمائی تھی:

((اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ))

’’اے اللہ!انہیں دین کی سمجھ اور قرآن کی تعلیم عطا فرما۔‘‘

لیکن اس کے باوجود یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اجتہاد کی بناء پر بھی تفسیر بیان کریں تو وہی صحیح ہے اور جو قول انکے خلاف ہوگا وہ باطل ہے۔ (59)

(59) للتفصیل کتاب الصیام،ص ۱۸۔۲۱،طبع مطابع قطر الوطنیہ۔الدوحۃ

تدریجی نزول کی حکمتیں:

تئیس سالہ روزِ نبوّت میں آہستہ آہستہ قرآنِ کریم کا نزول مکمل ہوا اور قرآن کے اس تدریجی نزول میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں مثلاً:

① مسلمانوں کو جوں جوں مشکل مسائل پیش آئیں ویسے ویسے ہی موقع بموقع انکے حل اور جوابات کیلئے قرآن کی آیات اترتی رہیں۔اس طرح قرآنِ کریم بآسانی دلوں میں ثبت ہوجاتا ہے اوراسکے ساتھ ہی حیاتِ مسلم میں قرآن زیادہ بہتر طریقے سے جاگزیں ہوتا ہے۔

② حکمتِ الٰہی نے فطرتِ انسانی کی رعایت رکھی اور بعض اشیاء کے نفاذ اور تحریم میں تدریج سے کام لیا مثلاً تحریمِ خمر (شراب کی حرمت) کیلئے چار دفعہ مختلف انداز سے حکم نازل ہوا اور چوتھی مرتبہ شراب کو کلیۃً حرام قرار دے دیا گیا۔اس تدریجِ تحریم کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''شراب اور دیگر منشیات'' میں ذکر کردی ہے۔اور یہ کتاب الحمد للہ مکتبہ کتاب وسنّت ،ریحان چیمہ، سیالکوٹ (پاکستان) سے چھپ بھی چکی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی پر تو نبی ﷺ کو یقینِ کامل تھا مگر پھر بھی آپ ﷺ چونکہ انسان تو تھے ہی ،مواسات اور ہمدردی وغمگساری کی آپ ﷺ کو بھی ضرورت تھی۔دعوتِ توحید پر جب مشرکین کی طرف سے آپ ﷺ کو مصائب ومشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور اعداءِ دین ومعاندین اسلام کی طرف سے آپ ﷺ کو ایذائیں پہنچتیں تو ساتھ ہی ساتھ صبر وثبات اور تائید ونصرت کی آیات بھی نازل ہوتی رہتیں۔جس سے آپ ﷺ کے پائے ہمّت وتحمل میں مزید استقلال واستحکام آتا رہتا تھا اور یہ بات قرآنِ کریم کے یکبارگی نزول میں نہیں ہوسکتی تھی۔

④ عہدِ جاہلیت میں عبادات ومعاملات اور عقوبات (سزائیں) ناپید تھیں اور نظامِ مالیات مفقود تھا۔لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یک دم نظام وقانون اور دستور وآئین کا پابند کرلینا خلافِ فطرت تھا۔لہٰذا انکی بہتر طریقہ سے تعلیم وتربیّت اور اصلاح وتہذیب کا یہی ذریعہ تھا کہ انہیں

بتدریج قانون کا پابند بنایا جائے۔اگر انہیں یکبارگی مقیّد کیا جاتا تو یقیناً اصلاح وتہذیب کا عمل شروع ہونے سے پہلے ہی وہ بھاگ گئے ہوتے جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((اِنَّمَا نَزَلَ اَوَّلَ مَانَزَلَ مِنهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ،حَتَّى اِذَا ثَابَ النَّاسُ عَلَى الْاِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْنَزَلَ اَوَّلُ شَيءٍ: لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ،لَقَالُوا:لَانَدَعُ الْخَمْرَ اَبَداً،وَلَوْنَزَلَ لَا تَزْنُوا،لَقَالُوا:لَانَدَعُ الزِّنَا اَبَداً)) (60)

''شروع میں قرآنِ کریم کی ایک مفصّل سورت نازل ہوئی جس میں جنت وجہنم کا ذکر ہے، یہاں تک کہ بکثرت لوگ اسلام میں داخل ہو(کرراسخ ہو) گئے،اور اگر شروع میں ہی یہ نازل کردیا جاتا کہ:شراب مت پیو تو (ممکن تھا کہ) لوگ پکار اٹھتے کہ ہم شراب نہیں چھوڑیں گے۔اوراگر یہ نازل ہوجاتا کہ:زنا نہ کرو تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم زنا ترک نہیں کرینگے۔''

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس ارشاد میں ترتیب وتدریجِ نزول میں پائی جانے والی حکمتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔غرض قرآنِ کریم کا وہ حصّہ سب سے پہلے نازل کیا گیا جسمیں توحیدِ باری تعالیٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے اور مؤمن ومطیع کو جنت کی بشارت اور کافرونافرمان کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور جب انکے قلوب ونفوس اس پر مطمئن ہوگئے،تب جاکر آیاتِ احکام کا نزول شروع کیا گیا۔''(61)

---

(60) بخاری مع الفتح ۹/۳۹،کتاب فضائل القرآن،باب ششم۔حدیث:۴۹۹۳

(61) فتح الباری ۹/۴۰طبع دارالافتاء

۱۶) بکثرت تلاوت وخیرات کا مہینہ:

اس ماہِ رمضان کے ماہِ قرآن ہونے کی وجہ ہی ہے کہ ہر سال خصوصی طور پر اس ماہِ رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر قرآنِ کریم کا دَور کیا کرتے تھے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری رمضان میں یہ قرآن دو مرتبہ پیش کیا گیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی (فی السنن الکبریٰ) بیہقی اور دارمی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((کَانَ یُعْرَضُ عَلٰی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْقُرآنُ کُلَّ عَامٍ مَرَّۃً فَعُرِضَ عَلَیْہِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْہِ))(62)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال ایک مرتبہ قرآنِ کریم کو پیش کیا جاتا تھا،لیکن جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس سال دو مرتبہ پیش کیا گیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کا یہ پیش کیا جانا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نازل ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دَور کرنے کی شکل میں تھا، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی ونسائی (فی الکبریٰ) دارقطنی وبیہقی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَجْوَدُالنَّاسِ بِالْخَیْرِ وَکَانَ اَجْوَدُمَایَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ،وَکَانَ جِبْرِیْلُ یَلْقَاہُ کُلَّ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ،یَعْرِضُ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْقُرْآنَ،فَاِذَالَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ کَانَ اَجْوَدُبِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ))(63)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ خیرات کرنے والے تھے اور خصوصاً ماہِ رمضان میں یہ عمل اور بھی بڑھ جاتا۔اور حضرت جبرائیل علیہ السلام رمضان کی ہر

(62) بخاری مع الفتح ۹/۴۳ مشکوٰۃ ۱/۶۴۸ مع المرعاۃ ۴/۳۱۲۔۳۱۳

(63) بخاری ۹/۴۳ وبدایۃ الصحیح ،باب بدء الوحی، مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی ۱/۶۴۸ ومع المرعاۃ ۴/۳۱۱

رات آپ ﷺ سے ملتے تھے اور آپ ﷺ ان کو قرآن سناتے (حفظ واتقان کی غرض سے ان پر پیش کرتے) تھے اور جن دنوں آپ ﷺ کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوا کرتی تھی، ان دنوں آپ ﷺ تیز ہوا سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خیرات فرمایا کرتے تھے۔"

اسی اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی چاہیئے کہ اس ماہِ قرآن میں بکثرت تلاوتِ قرآن اور صدقہ وخیرات کیا کریں۔

۱۷) شفاعتِ صیام وقرآن:

سال کے بارہ مہینوں میں سے روزہ والے دنوں، یا انکے روزوں کو اور کتبِ سماویہ میں سے قرآنِ کریم کو یہ شرف حاصل ہے کہ قیامت کے دن یہ دونوں ہی اللہ کے حضور بندۂ مؤمن کے لیئے شفاعت (سفارش) کرینگے کہ اے اللہ! اسے بخش دے، اور انکی شفاعت رائیگاں جانے والی بھی نہ ہوگی بلکہ قبول کی جائے گی جیسا کہ شعب الایمان بیہقی، مسند احمد، معجم طبرانی کبیر، حلیۃ الاولیاء ابونعیم اور مستدرک حاکم (64) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلصِّیَامُ وَالْقُرآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، یَقُوْلُ الصِّیَامُ: اَیْ رَبِّ! اِنِّیْ مَنَعْتُہٗ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ، فَیُشَفَّعَانِ)) (65)

"روزے اور قرآن بندے کیلیئے (مغفرت کی) سفارش کرینگے۔ اور روزہ کہے گا: اے پروردگار! میں نے دن کے وقت تیرے اس بندے کو کھانے

(64) وصحہ ووافقہ الذھبی والالبانی (65) مشکوٰۃ ۱/۶۱۲ ومع المرعاۃ ۴/۲۰۰

پینے اور قضائے شہوت سے روکے رکھا، اسکے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، اسکے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔ تو ان دونوں کی اسکے بارے میں کی گئی سفارش قبول کی جائیگی۔‘‘

۱۸)نمازِ پنجگانہ کے اهتمام کی تربیّت:

رمضان المبارک میں آپ نے پنجگانہ نماز کے ساتھ ساتھ تراویح ونوافل کا خوب اہتمام کیا اور انھیں باجماعت ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور تلاوتِ قرآن سے اپنے قلب وروح کو منوّر کیا۔ پورا مہینہ ایسا کرنے سے ایک طرح کی تربیّت وٹریننگ ہوجاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ سب امور صرف رمضان المبارک کی حد تک ہی تھے؟ اور کیا عید کے ساتھ ہی ان امور کو بھی سال بھر کے لیئے الوداعی سلام کردیا جائے؟ اور تلاوت ونوافل تو کجا، کیا نمازِ پنجگانہ کی فکر بھی نہیں رہے گی؟ جیسا کہ کسی موسمی قسم کے مسلمان یا جاہل نادان کا مقولہ ہے:

دو رکعت نماز عید الفطر کھائی سویّاں اور گئی فکر

بھئی فرض روزوں کی فکر تو آئندہ سال تک واقعی ختم ہوگئی مگر کیا نمازوں کی فکر بھی ساتھ ہی جاتی رہے گی؟ نہیں، اور ہرگز نہیں۔ نماز پنجگانہ ہر مسلمان پر ہر روز فرض ہے چاہے رمضان ہو یا کوئی دوسرا مہینہ۔ لہٰذا نمازوں کی ادائیگی کا وہی اہتمام رہنا چاہیئے جسکا سبق ہم نے رمضان المبارک میں سیکھا ہے۔ اور تاحینِ حیات یہ مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ سورۂ حجر کی آخری آیت:۹۹ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ○﴾

’’اور تادمِ موت (جسکا آنا یقینی امر ہے) اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں۔‘‘

نبی ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے جیسا کہ بیشمار احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

لٰہذا عید الفطر کے ساتھ ہی نمازِ پنجگانہ کی فکر نہیں جاتی رہنی چاہیئے۔سلفِ امّت میں سے ایک اللہ والے کو کہا گیا کہ بعض لوگ رمضان میں تو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔پھر اسکے بعد سب کچھ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔تو اس نے کہا:

(بِئْسَ الْقَوْمُ قَوْمٌ لَایَعْرِفُوْنَ لِلّٰهِ حَقًّا اِلَّا فِیْ رَمَضَانَ)

’’کتنے برے ہیں وہ لوگ جو صرف رمضان میں ہی اللہ کے حق کو پہچانتے ہیں۔‘‘

ساتھ ہی اپنے مخاطب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

(کُنْ رَبَّانِیًّا وَلَا تَکُنْ رَمَضَانِیًّا) (66)

’’صرف رمضانی نہ رہو بلکہ ربّانی بنو۔‘‘



نمازیوں کی اقسام

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھیں کہ موسمی عبادت گزاروں یا رمضانی نمازیوں کی طرح ہی نمازیوں کی چند اور قسمیں بھی ہیں مثلاً۔

① آٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو سارا ہفتہ پنجگانہ نمازوں سے تو قطعی غافل و بیگانہ رہتے ہیں کہ جیسے ان پر فرض ہی نہیں اور جب آٹھ دن کے بعد جمعہ کا وقت آتا ہے تو نہا دھو کر خوب بنے ٹھنے اور اجلا لباس پہنے جامع مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔

(66) کتاب الصیام شیخ عبداللہ آلِ محمود، ص ۵۷، طبع قطر

۲ اِکٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو عام طور پر تو پنجگانہ نماز ہی نہیں بلکہ نمازِ جمعہ بھی ادا نہیں کرتے البتہ اگر کبھی کسی خوشی یا غمی پر اِکٹھ ہو اور کچھ ایسے لوگوں کی مجلس میں اکھٹے بیٹھے ہوں جو آذان کی آواز کے ساتھ سبھی اٹھ کر مسجد کو چل دیں تو یہ صاحب بھی چارو نا چار انکے ساتھ ہی مسجد سے ہو آتے ہیں۔

۳ تین سو ساٹھ کے نمازی:

وہ لوگ جو پنجگانہ نماز اور جمعہ بھی ادا نہیں کرتے اور اگر کہیں کچھ ایسے لوگوں کا اکھٹ ہو جو نمازی ہوں اور آذان سن کر نماز کیلئے چل دیں تو یہ صاحب اس وقت بھی نظریں بچا کر ادھر ادھر ''کِھسک'' جاتے ہیں لیکن اسلامی کیلنڈر کے مطابق سال بھر کے تین سو ساٹھ دنوں کے بعد جب عید آتی ہے تو اسمیں بڑے شوق کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔

۴ کھاٹ کے نمازی:

وہ لوگ جو عموماً رسم ورواج کے بندھے بندھائے صرف کسی کی نمازِ جنازہ میں ہی شرکت کرتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو میّت کے پسماندگان کے شرکاءِ غم میں سے ثابت کر سکیں۔ اسکے علاوہ انہیں قسم ہے جو کوئی دوسری نماز ''چکھ'' پائیں۔

۵ ٹھاٹھ کے نمازی:

نمازیوں کی ان چاروں غیر مطلوبہ قسموں کے بعد پانچویں اور مطلوبہ قسم آتی ہے جنہیں ''ٹھاٹھ کے نمازی'' کہیئے جو کہ نمازِ پنجگانہ کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ (67) جنہیں عام طور پر ''پابندِ صوم وصلوٰۃ'' کہا جاتا ہے۔ اسلام میں دراصل انہی لوگوں کو مقام حاصل ہے۔ انہیں چھوڑ کر پہلی چاروں قسم کے نمازیوں کے بارے میں ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ان کی خدمت میں صرف اتنی التماس ہے کہ صاحبو! اسلام کے نظامِ عبادت میں اس قسم کے نمازیوں کا

(67) بحوالہ روزنامہ جنگ، لاھور

تو کوئی تصّور ہی نہیں پایا جاتا۔لہٰذا ع

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں   ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی

۱۹) روزہ کے طبی فوائد وثمرات:

سابقہ سطور میں ہم نے صرف ان فضائل وبرکات کا تذکرہ کیا ہے جو کہ کتاب وسنّت سے ثابت ہیں۔اور کسی فرض کی فرضیت ثابت ہوجانے کے بعدان فضائل وبرکات کی تلاش وجستجو زیادہ سے زیادہ ترغیب دلانے کیلیئے ہی مفید ہوسکتی ہے،ورنہ جس کام کی فرضیت ثابت ہوجائے اسکا بجالانا واجب ہوجاتا ہے چاہے اسکی کوئی مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔لیکن یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے فرائض کی بجا آوری پر بھی ہمارے لیئے بڑے بڑے انعامات بھی رکھے ہوئے ہیں۔

جب کسی فریضہ کی فرضیت کو ثابت کرنے کیلیئے اسکے روحانی واخروی فضائل وبرکات کی بھی ضرورت نہیں تو پھر اسکے دنیوی یا مادی فوائد وثمرات کا پایا جانا یا انکا علم ہوسکنا کہاں ضروری ہوسکتا ہے؟ جبکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اسکے عائد کردہ فرائض روحانی واُخروی فضائل وبرکات کے ساتھ ساتھ دنیوی ومادی فوائد وثمرات سے بھی خالی نہیں ہیں۔مثلاً زیرِ بحث ''روزے'' کو ہی لے لیجیئے کہ ڈاکٹروں یا طبیبوں نے روزے کے طبی فوائد بھی ذکر کیئے ہیں اور مغربی ممالک کے بعض ماہرینِ طب نے تو افریقی ممالک کے مختلف مناطق کے مطالعاتی دورے کیئے اوران کی جو تفصیلات مرتّب کی ہیں،ان میں عمومی الفاظ میں ''فاقہ کشی'' اور اسلامی زبان میں روزے کا ذکر بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ روزہ ملیریا بخار کے لیئے تیر بہدف نسخہ ہے۔ عالمی ادارۂ صحت میں کام کرنے والے اسپیشلسٹ آرمینیو انوری(Arminyo Anori) نے اپنی رپورٹ میں ملیریا کی وباء کو ترقی پذیر ممالک کی اقتصادیات کو تباہ کرنے کا باعث قرار دیا ہے۔ جبکہ اس ادارہ میں کام کرنے والے وبائی امراض کے ماہر ڈاکٹر جوزف ایچ۔پال نے تو یہاں

تک لکھا ہے کہ ملیریا کا مرض عالمی سطح پر صحت کا مسئلہ بن چکا ہے اور اس مرض سے بچاؤ کیلئے دوائیں ایجاد ہوئی ہیں۔ اور آگے چل کر وہ غیر مسلم ڈاکٹر لکھتا ہے:

''مگر کیا سب سے بڑھ کر خوشی کی بات یہ نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں اسکے علاج کا جو طریقہ ''روزہ'' کی شکل میں ہے، وہ ایک تو قطعاً غیر کیمیائی ہے اور میڈیکل کی زبان میں یہ کہ اسکے رِی ایکشن یا ردِّ عمل کا بھی کوئی خطرہ نہیں اور علمِ اقتصادیات کی زبان میں یہ علاج کلّی طور پر مفت بلکہ مفت سے بھی بڑھ کر ہے اس میں سوفی صد (۱۰۰٪) سے زیادہ منافع ہے۔''(68)

جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ روزہ کی وجہ سے آدمی گردے کی بیماری، پیروں کے وَرم اور جوڑوں کے پرانے دردوں سے محفوظ رہتا ہے۔ روزہ قلبی امراض، موٹاپے، بلڈ پریشر وغیرہ کیلئے بھی مفید اور معاون علاج ہے۔ ایسے ہی جِلدی امراض کیل مہاسوں، سر کے وسط میں پیدا ہونے والی سِکری، دماغی خشکی اور گنجے پن کا موزوں ترین علاج بھی روزہ ہے۔(69)

ایک سعودی ڈاکٹر ایاز سبیّل کا کہنا ہے کہ روزہ السر کی بیماری کیلئے ایک تیر بہدف نسخہ ہے، جسکی تفصیل روزنامہ جنگ لاہور بابت ۱۰ رمضان ۱۴۰۸ھ بمطابق ۲۷ اپریل ۱۹۸۸ء میں (ص ۸ پر) شائع ہو چکی ہے۔

۲۰) روزہ کے نفسیاتی فوائد وثمرات:

ماہرینِ نفسیات کے یہاں یہ امر مسلّم ہے کہ نفسیاتی اضطراب، قلق، حزن، پژمردگی وافسردگی، وسوسہ اور ہسٹیریا وغیرہ کا اصل سبب قوّتِ ارادی وقوّتِ برداشت اور خود اعتمادی کا فقدان ہے جبکہ روزہ انسان میں قوّتِ ارادی، رُشدِ نفسی اور خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا روزہ

(68) بحوالہ مجلّہ ماہنامہ منار الاسلام۔ ابوظہبی، جلد ۶، شمارہ ۹، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء

(69) حوالہ سابقہ ایضاً

تمام نفسیاتی امراض کا بہترین اور مفت علاج ہے۔ (70)

معلوم ہوا کہ رمضان المبارک جہاں نیکیاں کمانے کا سیزن ہے وہیں مہلک امراض سے نجات پانے کا ذریعہ بھی ہے اور مغربی ممالک کے ان غیر مسلم ماہرین اور مسلم اطبّاء کی تحقیقات وشہادات اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۲۱) روزہ کے اقتصادی فوائد وثمرات:

روزہ کے طبی ونفسیاتی پہلوؤں کے علاوہ یہ بیشمار مادی واقتصادی فوائد وثمرات کا ذریعہ بھی ہے، اور نظم وضبط سکھانے کا سبب بھی، جسکی تفصیلات مطلوب ہوں تو علاّمہ محمد رشید رضا مصری کی تفسیر المنار جلد۲ ص۱۴۴۔۱۴۹ (طبع بیروت) اور ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی (مؤلف السنہ ومکانتھافی التشریع الاسلامی) کی کتاب ''احکام الصیام وفلسفتہٗ'' ص ۳۸ تا ۴۲ دیکھے جاسکتے ہیں۔

ترکِ روزہ پر وعید:

روحانی وجسمانی اور دنیوی واخروی فوائد وبرکات پر مشتمل اس عبادت ''روزہ'' کو اسلام میں فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ پورے جوش وجذبہ اور شوق وذوق کے ساتھ نہ صرف ماہِ رمضان میں ہی روزوں کی پابندی ہو بلکہ غیر رمضان کے نفلی روزے رکھنے میں بھی کمی نہ کی جائے (جنکی تفصیل بھی اس کتاب کے دوسرے حصے ''احکام ومسائلِ روزہ'' میں ذکر کردی گئی ہے۔) یا کم ازکم سال بعد اس ایک ماہ کے روزوں میں سے تو کوئی ایک روزہ بھی چھوڑنے کے جرم کا ارتکاب نہ کریں، ورنہ پھر یہ بھی یاد رہے کہ رمضان المبارک کا ایک بھی روزہ جان بوجھ کر بلا عذرِ شرعی چھوڑ دیا تو یہ گناہِ کبیرہ ہے، جیسا کہ علاّمہ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب الکبائر سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے کبیرہ گناہوں میں سے چھٹے گناہ کی

(70) منارالاسلام ایضاً ورسالۃ الصیام طبع وزارت اوقاف وامور اسلامیہ، متحدہ عرب امارات

جگہ ''بلا عذر رمضان کا ایک دن کا روزہ چھوڑنا'' ہی لکھا ہے۔[71]

ایسے ہی علاّمہ ہیتمی رحمہ اللہ نے ''الزواجر عن اقتراف الکبائر'' جلد اول، ص ۱۹۵[72] پر رمضان کا ایک بھی روزہ چھوڑنے کو کبیرہ گناہ شمار کیا ہے۔ کیونکہ تارکِ روزہ کے بارے میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً اور ابوداؤد و ترمذی، نسائی و ابن ماجہ، دارمی و بیہقی اور صحیح ابن خذیمہ و مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً و مرفوعاً مروی ہے:

((مَنْ اَفْطَرَ يَوْماًمِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ))[73]

''جس نے رمضان کے ایک بھی دن کا روزہ کسی مرض یا عذر کے بغیر ہی ترک کر دیا۔ وہ اگر ساری عمر بھی روزے رکھتا رہے، تب بھی اس کی کمی پوری نہیں کر سکے گا۔''

اس حدیث کو تو محدّثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ ایسی ہی کئی دیگر روایات بھی ہیں لیکن اگر یہ سب نہ بھی ہوتیں تو قرآن وسنّت اور اجماعِ امت سے ثابت شدہ اس روزے کی فرضیّت اور اسکے پانچ ارکانِ اسلام میں سے ایک ہونے کی حیثیّت ہی کیا کم ہے کہ اسکے ترک کا ارتکاب گناہِ کبیرہ شمار ہو۔ پورے دن کا روزہ ترک کرنا گناہِ کبیرہ کیوں نہ ہو، جبکہ ماہِ رمضان کے دنوں کے آخری اوقات میں سے جلد بازی کے نتیجہ میں اصل وقت سے تھوڑا سا پہلے روزہ کھولا جائے تو وہ بھی باعثِ عذاب ہے، جیسا کہ صحیح ابن حبان و ابن خذیمہ، سنن (کبریٰ) نسائی اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

(71) ص ۱۴۱۔۱۴۲ بتصحیح وتقدیم شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ، مدرس حرمِ مکی

(72) الزواجر علاّمہ ہیتمی طبع دارالعرفہ، بیروت

(73) الفتح الربانی ۹/۷/۲۳۳ و بحوالہ مشکوٰۃ ۱/۶۲۶ وضعفہ الالبانی فی تحقیق المشکوٰۃ ووضعہ فی ضعیف الجامع ۵/۳/۱۷۴

ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''میں سویا ہوا تھا تو دو شخص (فرشتے) آئے وہ مجھے اپنے ساتھ ایک پہاڑ پر لے گئے اور کہنے لگے کہ اُوپر چڑھیں، میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، وہ کہنے لگے ہم آپ ﷺ کے لیئے یہ سفر آسان کردیتے ہیں، اور جب میں چڑھ گیا اور پہاڑ کے اُوپر گیا تو کیا سنتا ہوں کہ سخت چیخ وپکار ہے۔ پھر مجھے وہ آگے لے گئے:

((فَاِذَا اَنَا بِقَوْمٍ مُعَلَّقِیْنَ بِعَرَاقِیْبِھِمْ،مُشَقَّقَةً اَشْدَاقُھُمْ،تَسِیْلُ اَشْدَاقُھُمْ دَماً،فَقَالَ:قُلْتُ:مَنْ ھٰؤُلَآءِ؟قَالَا:اَلَّذِیْنَ یُفْطِرُوْنَ قَبْلَ تَحِلَّةِ صَوْمِھِمْ))(74)

''وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قوم اپنی کھونچوں (ایڑیوں) کے بل اوندھی لٹکائی گئی ہے، انکی باچھیں پھٹی ہوئی ہیں جن سے کہ خون بہہ رہا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان (فرشتوں) نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو افطار کا صحیح وقت ہونے سے پہلے ہی روزہ کھول (افطار کرلیتے) ہیں۔

اندازہ فرمائیں کہ جب محض اتنے وقت کے ترکِ روزہ کا یہ انجام ہے تو اسکا حشر کیا ہوگا جس نے پورے دن کا ہی نہیں بلکہ پورے رمضان کے تمام روزے ہی چھوڑ دیئے؟ اب آپ خود ہی فرمائیں کہ وہ لوگ جو نہ تو کسی ایسے مشقّت والے سفر میں ہوں کہ روزہ قضاء کرنے کے مجاز ہوں نہ بیمار ہوں کہ رمضان کے بعد انکے لیئے قضاء کرلینے کی اجازت ہو اور نہ ہی کوئی دیگر شرعی عذر ہو بلکہ اسکے برعکس ان اعذار سے محفوظ ہونے پر مستزاد یہ کہ جن لوگوں کو رمضان المبارک کی وجہ سے ڈیوٹی بھی کم دینی پڑے اور جو تھوڑا سا وقت ڈیوٹی پر گزاریں وہ بھی ائیرکنڈیشنڈ دفتروں میں ہو یا وہ لوگ جو اپنے کاروبار کرتے ہیں انکے مکانوں اور دکانوں میں

(74) بحوالہ صحیح الترغیب والترہیب للالبانی ۱/۵۸۸ طبع المکتب الاسلامی، بیروت

بھی ٹھنڈک کی یہ سہولتیں موجود ہوں، اسکے باوجود بھی اس ماہِ مبارک کے روزے رکھ کر اپنے پروردگار کوراضی نہ کرلیں اوراس ماہ کی برکات اور سعادتیں نہ سمیٹ لیں، وہ لوگ بھی کتنے ہی کم نصیب ہیں اورانکے اپنے آپ کواسلام کے ٹھیکیدار قرار دینے کے بلند بانگ دعوے کتنے مشکوک بلکہ باطل ہیں۔

اللہ ﷻ، رسول ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی لعنت وپھٹکار:

بعض احادیث جنکی اسناد پرانفرادی طور پرتو کلام کیا گیا ہےلیکن مجموعی طور پرانکی شواہد ومویّد روایات کی وجہ سے انہیں صحیح لغیرہٖ اور حسن صحیح قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک صحیح ابن خذیمہ اورصحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، دوسری صحیح ابن حبان میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے اور تیسری حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ان احادیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منبر لانے کاحکم فرمایا اور جب منبر لایا گیا تو آپ ﷺ اس پر رونق افروز ہوئےلیکن جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسری پرقدم رکھا تو فرمایا: آمین اور جب تیسری پرقدم رنجہ فرمایا تو بھی فرمایا: آمین

جب آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ آج ہم نے آپ ﷺ سے ایک ایسی چیز سنی ہے جواس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔انکے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ جب میں نے پہلی سیڑھی پرقدم رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھےاورانہوں نے کہا تھا:

((بَعُدَ مَنْ اَدْرَکَ رَمَضَانَ،فَلَمْ یُغْفَرْلَہٗ))

”وہ شخص ملعون اوراللہ کی رحمتوں سے دور ہوگیا جس نے ماہِ رمضان المبارک کو پایا مگراسکی مغفرت وبخشش نہ ہوئی۔“

اس پر میں نے آمین کہا۔اور جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

((بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ))

''وہ شخص ملعون ومحروم ہے جسکے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل ہوااور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے۔''

اس پر میں نے آمین کہا تھا اور جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تھا:

((بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ عِنْدَهُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ))

''وہ ملعون وحرماں نصیب ہے جسکی زندگی میں اسکے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائے اور وہ اسے (خدمت کے عوض) جنّت میں داخل نہ کردیں۔''

اس پر بھی میں نے آمین کہا تھا۔ (75)

ان احادیث میں تین کاموں کی خوب ترغیب دلائی گئی ہے، انکے نہ کرنے والوں پر لعنت و پھٹکار کی گئی ہے، انہیں جنّت ورحمتِ الٰہی سے محروم ودور قرار دیا گیا ہے اور ماہِ رمضان کے روزے نہ رکھنے اور والدین کی خدمت نہ کرنے والوں کو تو جہنّم کی وعید بھی سنائی گئی ہے جیسا کہ صحیح ابن حبان وابن خذیمہ میں حضرت مالک بن حویرث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کے الفاظ ((فَدَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَهُ اللّٰهُ)) سے پتہ چلتا ہے کہ ''اس موقع کو پانے کے باوجود وہ (اس سے فائدہ نہ اٹھاسکا) اور جہنّم میں داخل ہوگیا تو وہ بہت ہی ملعون وحرماں نصیب ہے۔'' (76)

---

(75) بحوالہ صحیح الترغیب والترھیب للالبانی ج۱ص ۵۸۳۔۵۸۴، حدیث: ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷

(76) دیکھیئے حوالہ سابقہ، ۹۹۶، ۹۹۷

④ بچوں کے روزے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بچوں کے روزوں کے سلسلہ میں بھی وضاحت کردی جائے کہ ان پر روزے اگرچہ فرض تو نہیں کیونکہ ابوداؤد و ترمذی اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ،عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یُفِیْقَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ)) (77)

”تین قسم کے لوگ مرفوع القلم (شرعاً غیر مکلّف) ہیں: پاگل یہاں تک کہ اسکا جنون و پاگل پن دور نہ ہوجائے۔ سویا ہوا یہاں تک کہ وہ نیند سے بیدار نہ ہوجائے اور بچہ یہاں تک کہ وہ عمرِ احتلام (بلوغت) کو نہ پہنچ جائے۔“

یہ تو ہوا بچوں کے روزے کا شرعی حکم لیکن اگر بچہ اس عمر میں ہو کہ روزہ رکھ سکتا ہو تو اسکے لیئے روزہ رکھنا مستحب عمل ہے اور اسکے والدین یا سرپرستوں کو چاہیئے کہ اسے روزے کی ترغیب دلائیں تاکہ وہ اسکا عادی ہوجائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی کیا کرتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ربیّع بنت معوّذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یومِ عاشوراء کی صبح نبی ﷺ نے انصار کی بستیوں میں یہ اعلان کروایا:

((مَنْ کَانَ اَصْبَحَ صَائِماً فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ وَمَنْ کَانَ اَصْبَحَ مُفْطِراً فَلْیُتِمَّ بَقِیَّةَ یَوْمِهٖ)) (78)

”جس نے روزہ کی حالت میں صبح کی وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جس نے افطاری کی حالت میں صبح کی اسے چاہیئے کہ دن کے بقیہ حصّہ کا گویا روزہ رکھ لے۔“

حضرت ربیّع رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

(77) ارواء الغلیل ۲/۴ و صحّحہ الالبانی و فقہ السنہ ۱/ ۴۳۹
(78) المنتقیٰ مع النیل ۲/۴/ ۱۹۸

((فَکُنَّا بَعُدَ ذَالِکَ نَصُوْمُهٗ وَ نُصَوِّمُهٗ صِبْیَانَنَا الصِّغَارَ مِنْهُمْ وَنَذْهَبُ اِلٰی الْمَسْجِدِ فَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ. فَاِذَا بَکیٰ اَحَدُهُمْ مِنَ الطَّعَامِ اَعْطَیْنَاهَا اِیَّاهُ حَتّٰی یَکُوْنَ عِنْدَ الْاِفْطَارِ))

''اسکے بعد سے ہم لوگ یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی رکھواتے تھے۔ ہم مسجد میں جاتے تو بچوں کو کھیلنے کیلئے روئی کا کھلونا بنا دیتے تھے جب کوئی بچہ کھانے کی ضد کرتا اور روتا تو اسے کھلونا دے کر بہلا لیتے حتی کہ افطار کا وقت ہو جاتا۔''

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں پکڑ کر لائے جانے والے شرابی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((وَیْلَکَ وَصِبْیَانُنَا صِیَامٌ))

''تیرا برا ہو، ہمارے تو بچے بھی روزے سے ہیں۔'' اور اسے مارا۔

اس اثر کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو تعلیقاً بیان فرمایا ہے البتہ سنن سعید بن منصور اور الجعدیات بغوی میں مرفوعاً بھی مروی ہے اور بغوی کی ایک روایت میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اسّی کوڑے مارنے اور شام کی طرف ملک بدر کر دینے کا حکم فرمایا۔ (79)

غرض امام ابن سیرین، زہری، شافعی اور سلفِ صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ جب بچہ روزہ رکھ سکنے کی طاقت کو پہنچ جائے تو اسے روزے کی عادت ڈالنے کے لیئے روزہ رکھنے کا حکم دینا چاہیئے۔ ایسے بچے کی عمر کے سلسلہ میں سات، دس اور بارہ سال کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ (80) لیکن اس سلسلہ میں کوئی واضح دلیل نہیں ہے لہٰذا عمر کی بجائے طاقت وقدرت کا ہی اعتبار ہوگا۔

---

(79) النیل ۲/۴/۱۹۸۔۱۹۹ (80) بحوالہ سابقہ

آج کے مسلمان..... ایک لمحۂ فکریہ

یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ بات بھی بچوں کے بارے میں ہے جو کہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں چاہے عمر کے لحاظ سے ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں جبکہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ کتنے ہی لوگ وہ ہیں جو اپنے اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس بلکہ پچیس پچیس سال کے تندرست وتوانا اور عاقل وبالغ بچوں کو نہ صرف یہ کہ روزہ نہیں رکھواتے بلکہ روزہ نہ رکھنے پر آمادہ کرتے ہیں اور دلیل یہ ہوتی ہے کہ تمہارے امتحانات ہو رہے ہیں، تم صحیح طور پر محنت نہیں کرسکو گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔

ایسے بچوں اور بچیوں کو خود ہی اپنے خالق ومالک سے ڈرنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ عاقل اور بالغ ہوجانے کی وجہ سے روزہ ان پر فرض ہو چکا ہے۔ اور کچھ ہو نہ ہو یہ فرض پورا کرنا ہی ہوگا۔ اور پھر عموماً فرائضِ دین کی ادائیگی تو تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کی چابی ہے پھر محض امتحان کی تیاری کیلیئے روزہ چھوڑ دینا چہ معنیٰ دارد؟

اسی طرح انکے والدین اور بڑے بہن بھائیوں یا سرپرستوں کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیئے کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کرنے اور کروانے کی پاداش میں نہ دھر لیئے جائیں اور اسکا اثر ان پر اور ان کی اولاد پر نہ ہو اور دین ودنیا کی کامیابی مخدوش نہ ہوجائے۔

پھر ویسے بھی والدین تو اپنے گھر کی رعایا کے حاکم ہوتے ہیں اور قیامت کے دن ان سے انکی اس رعایا کے بارے میں سوال کیا جائیگا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((کُلُّکُم رَاعٍ وَ کُلُّکُم مَسئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ.....وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِیْ اَھْلِہٖ وَھُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ، وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا وَمَسْئُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا)) (81)

(81) صحیح البخاری مع فتح الباری ۲/۳۸۰ کتاب الجمعہ، صحیح مسلم کتاب الامارۃ، سنن ابی داؤد، کتاب الامارۃ، سنن ترمذی، کتاب الجہاد، مسند احمد ۲/۵، ۵۴، ۵۵، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۳۱،

’’تم میں سے ہر شخص رکھوالا ہے اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔۔۔آدمی اپنے گھر والوں کے بارے میں اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں (اولاد) کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔‘‘

خود ربِ کائنات نے بھی واضح طور پر حکم فرمایا ہے کہ تمہارا صرف خود عمل کر لینا اور اپنے آپ کو جہنم سے بچا لینا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے زیردستوں اور اہل وعیال کو بھی نیک عمل کا پابند کرواور انہیں بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا قُوْ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ﴾ (سورۃالتحریم: ۶)

’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ جسکا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔‘‘

لفظِ رمضان کا لغوی معنیٰ:

رمضان المبارک اور روزہ کے انوار وتجلّیات، فضائل وبرکات اور فوائد وثمرات تو بکثرت ہیں جن میں سے چند ضروری ومعروف امور آپ کے سامنے آگئے ہیں اور اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو لفظِ رمضان اور صوم (روزہ) کے اصل لغوی معنیٰ ومفہوم سے بھی اگاہ کر دیں تاکہ ان دونوں کی حقیقت آپکے ذہن میں آجائے۔

لفظِ رمضان کا مادہ تین حروف پر مشتمل ہے جو راء، میم اور ضاد (رمض) ہیں۔اور لغت کی مشہور ومعروف کتاب ’’القاموس المحیط‘‘ میں لکھا ہے:

(الرَّمَضُ مُحَرَّکَةً،شِدَّةُ وَقْعِ الشَّمْسِ عَلٰی الرَّمْلِ وَغَیْرِہٖ)(82)

’’ریت وغیرہ کے ذرّات پر سورج کی تمازت وگرمی کے شدّت سے

(82) القاموس ۲/۳۳۲

پڑنے کو ''رمض'' کہا جاتا ہے۔''

جبکہ لغت کی ہی ایک دوسری متداول کتاب ''المنجد'' میں بھی یہی معنیٰ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

(اَحرَقَتِ الرَّمضَاءُ قَدَمَيهِ) (83)

''سورج کی تمازت وگرمی نے اسکے پاؤں جلا دیئے۔''

لفظِ رمضان کا لغوی معنیٰ ''جلانا'' حدیث میں بھی وارد ہوا ہے چنانچہ ترمذی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((صَلٰوۃُ الْاَوَّابِینَ حِینَ تَرمُضُ الْفِصَالُ)) (84)

''صلوٰۃ الاوّابین کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچے کے پاؤں (ریت کے گرم ہونے کی وجہ سے) جلنے لگیں۔''

ماہِ رمضان کی وجہ تسمیّہ:

ماہِ رمضان کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے صاحبِ مجمع البیان لکھتے ہیں:

(سُمِّیَ رَمَضَانَ لِاَنَّہٗ یَرمُضُ الذُّنُوبَ) ''اس ماہ کا نام رمضان (جلانے والا) اس لیئے رکھا گیا کہ یہ (روزہ داروں کے) گناہوں کو جلا کر ختم کر دیتا ہے۔''

اور صاحبِ قاموس کے الفاظ ہیں: (سُمِّیَ رَمَضَانَ لِاَنَّہٗ یُحرِقُ الذُّنُوبَ) ''گناہوں کو جلا کر ختم کر دینے کی مناسبت سے اس ماہ کا نام ہی رمضان رکھ دیا گیا ہے۔

اس مفہوم کی ایک روایت بھی ہے مگر وہ ضعیف ہے۔ غرض اس مختصر سی لغوی بحث سے بھی ماہِ رمضان کی فضیلت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ مہینہ اہلِ معاصی کے گناہوں کو جلا کر ختم کر دیتا ہے۔

---

(83) المنجد ص ۲۸۰   (84) بلوغ المرام مع السبل ۱/۲/۱۷

ماہِ رمضان کو صرف رمضان کہنا:

ہمارے بعض جماعتی پرچوں میں ایک بات بڑے تسلسل کے ساتھ کہی جارہی ہے کہ ماہِ رمضان المبارک کو صرف ''رمضان'' نہیں کہنا چاہیئے بلکہ ''شھرُ رمضان'' یعنی شھر کی اضافت کے ساتھ مرکّب کر کے کہنا چاہیئے جسے آپ اردو میں ''ماہِ رمضان'' کی ترکیب سے کہہ لیں اور صرف رمضان اسلیئے نہیں کہنا چاہیئے کہ ''رمضان'' اللہ کے اسماءِ گرامی میں سے ایک اسم (نام) ہے اور وہ حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے جو ''رمضان'' کے اسمِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (مجلّہ جامعہ ابراہیمیہ، سیالکوٹ)

لہٰذا آیئے اس حدیث کی استنادی حیثیت کا جائزہ لیں کہ محدّثین کرام کے نزدیک اسکی کیا پوزیشن ہے؟

چنانچہ ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے جسمیں ہے:

((لَا تَقُوْلُوْا رَمَضَانَ، فَاِنَّ رَمَضَانَ اِسْمٌ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ، وَلٰکِنْ قُوْلُوْا: شَھْرَ رَمَضَانَ))

''رمضان نہ کہو، کیونکہ رمضان اسماءِ الٰہی میں سے ایک نام ہے۔ بلکہ شھرِ رمضان (ماہِ رمضان) کہو۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن عدی نے الکامل میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اسکے ایک راوی ابومعشر کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور بقول امام بیہقی یہ حدیث امام مجاہد اور حسن بصری کے دوطُرق سے بھی مروی ہے لیکن وہ دونوں طُرق بھی ضعیف ہیں۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کے ضُعف کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اپنی صحیح میں ایک باب ہی ایسا قائم کیا ہے جس سے رمضان کو رمضان کہنے کے جواز کا پتہ چلے اور وہ ہے:

((بَابٌ هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ اَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ وَمَنْ رَأَىٰ كُلَّهُ وَاسِعاً))

اور پھر جواز ثابت کرنے کے لیئے متعدد احادیث وارد کی ہیں۔ (85)

ضعیف حدیث چونکہ قابلِ حجّت نہیں ہوتی اسلیئے ہی جمہور اہلِ علم جواز کے قائل ہیں البتہ مالکیہ نے کراہت کی رائے اختیار کی ہے اور ان میں سے بھی ابن الباقلانی اور شوافع میں سے کثیر حضرات کے نزدیک اگر کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو جو اکیلے لفظ ''رمضان'' سے بھی اس ماہ کا پتہ دے تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ (86)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رجحان کا پتہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں متعدد ابواب میں لفظ رمضان کو اکیلے ہی استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:

① بَابُ وُجُوْبِ صَوْمِ رَمَضَانَ. ② بَابٌ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ.

③ بَابٌ هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ اَوْشَهْرَ رَمَضَانَ وَمَنْ رَأَىٰ كُلَّهُ وَاسِعاً.

④ بَابٌ اَجْوَدُ مَاكَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ.

⑤ بَابٌ لَا يُتَقَدَّمُ رَمَضَانُ بِصَوْمِ يَوْمٍ وَلَايَوْمَيْنِ.

⑥ بَابٌ اِذَا جَامَعَ فِيْ رَمَضَانَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ.

⑦ بَابٌ اِذَا جَامَعَ فِيْ رَمَضَانَ.

⑧ بَابٌ اِذَا صَامَ اَيَّاماً مِّنْ رَمَضَانَ ثُمَّ سَافَرَ.

⑨ بَابٌ مَتىٰ يَقْضِيْ قَضَاءَ رَمَضَانَ. ⑩ بَابٌ اِذَا اَفْطَرَفِيْ رَمَضَانَ. (87)

ان تمام ابواب میں سے امام صاحب نے کسی میں بھی رمضان کے ساتھ شہر (ماہ) کی اضافت ذکر نہیں کی۔

(85) صحیح البخاری مع فتح الباری ۴/۱۱۲۔۱۱۳ طبع دارالافتاء، تفسیر ابن کثیر ۱/۲۱۶ دارالمعرفہ، بیروت
(86) الفتح ایضاً
(87) دیکھیئے صحیح بخاری۔ کتاب الصوم

امام بخاری کی طرح ہی امام نسائی نے بھی کتاب الصّیام (سنن نسائی) میں ماہِ رمضان کو صرف رمضان کہنے کے جواز پر دلالت کرنے والی دو احادیث وارد کی ہیں اور ان پر یوں تبویب کی ہے:

((اَلرُّخصَةُ فِیُ اَنُ یُّقَالَ لِشَهُرِ رَمَضَانَ رَمَضَانُ))(88)

آگے چل کر ایک اور باب میں بھی اضافت کے بغیر صرف لفظِ رمضان لائے ہیں دیکھیے: ((بَابُ ثَوَابِ مَنُ قَامَ رَمَضَانَ وَصَامَهٗ...))(89)

اب آیئے ان احادیث کی طرف جن میں شھر (ماہ) کی اضافت کے بغیر صرف لفظِ رمضان وارد ہوا ہے جو اس بات کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

حدیث نمبر۱:

((مَنُ قَامَ رَمَضَانَ اِیُمَاناً وَّاِحُتِسَاباً غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنُ ذَنُبِهٖ))(90)

''جس نے بحالتِ ایمان اور بغرضِ ثواب رمضان المبارک (کی راتوں) کا قیام کیا، اسکے سابقہ تمام گناہ بخشے گئے۔''

حدیث نمبر۲:

((مَنُ صَامَ رَمَضَانَ اِیُمَاناً وَّاِحُتِسَاباً غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنُ ذَنُبِهٖ))(91)

''جس نے بحالتِ ایمان اور بغرضِ ثواب رمضان المبارک کے روزے رکھے، اسکے سابقہ تمام گناہ بخشے گئے۔''

---

(88) دیکھیے سنن نسائی ۱/۲۴۳ مع التعلیقات السّلفیہ

(89) دیکھیے سنن نسائی ۱/۲۴۹ مع التعلیقات السّلفیہ

(90) صحیحین وسنن اربعہ، دارمی، مؤطا مالک، مسند احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بخاری مع الفتح ۴/۲۵۰ و بحوالہ صحیح الجامع الصغیر للالبانی ۳/۵/۳۳۴ وارواء الغلیل لہ ۴/۱۴

(91) صحیحین وسنن اربعہ، مسند احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، بخاری مع الفتح ۴/۱۱۵ و بحوالہ صحیح الجامع ۳/۵/۳۰۹

حدیث نمبر۳:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَّاِحْتِسَاباً غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ))(92)

’’جس نے بحالتِ ایمان اور بغرضِ ثواب رمضان المبارک کے روزے رکھے اسکے سابقہ ومتاخرہ تمام گناہ معاف کیئے گئے۔‘‘

حدیث نمبر٤:

((لَا یَتَقَدَّ مَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ وَلَایَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ یَصُوْمُ صَوْمَهٗ، فَلْیُصْبِحْ ذَالِکَ الْیَوْمِ))(93)

’’تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے (استقبال یا سلامی کا) روزہ نہ رکھے۔ ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا آ رہا ہے تو وہ رکھ لے۔‘‘

حدیث نمبر۵:

((اِذَاجَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ))(94)

’’جب رمضان المبارک آجائے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔‘‘

حدیث نمبر٦:

((اِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَصُمْ ثَلَاثِیْنَ اِلَّا اَنْ تَرَیٰ الْهِلَالَ قَبْلَ ذَالِکَ))(95)

---

(92) تاریخ بغداد للخطیب عن ابن عباس، نسائی ومسند احمد وحلیۃ الاولیاء ابو نعیم عن ابی ہریرہ ومسند احمد عن عبادہ رضی اللہ عنہم بحوالہ صحیح الجامع ۳/۵/۳۰۹

(93) بخاری ومسلم ابوداؤد وترمذی، مسند احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ بخاری وفتح الباری ۴/۱۱۲۔۱۱۳، ۱۲۸

(94) بخاری ومسلم، نسائی ومسند احمد عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ بخاری والفتح ۴/۱۱۲ وصحیح الجامع ۱/۱۸۸

(95) طبرانی، طحاوی، احمد بحوالہ صحیح الجامع ۱/۱/۱۸۸۔ عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ

”جب رمضان المبارک آجائے تو تیس روزے رکھو۔سوائے اسکے کہ (انتیس کے بعد) چاند نظر آجائے۔“

حدیث نمبر۷:

((عُمرَۃٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعدِلُ حَجَّۃً)) (96)

”رمضان المبارک میں کیا گیا عمرہ حج کے برابر (ثواب رکھتا) ہے۔“

حدیث نمبر۸:

((عُمرَۃٌ فِیْ رَمَضَانَ تَعدِلُ حَجَّۃً مَعِیْ)) (97)

”رمضان المبارک میں کیا گیا عمرہ میرے ساتھ کیئے گئے حج کے برابر (ثواب رکھتا) ہے۔

انہی پر کیا بس ہے۔اضافت کے بغیر بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے یہ چند ”مشتے از خروارے“ کا مصداق ہیں۔ایسی حدیثوں کی تعداد کا اندازہ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ﷺ کی جلد۲ص ۳۰۶۔۳۰۷ پر وارد کیئے گئے اطراف سے ہی ہوجاتا ہے۔

ایک اشکال یا احتمال:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ایک اشکال بھی ذکر کیا ہے جسے اشکال کی بجائے احتمال کہنا زیادہ مناسب ہوگا، وہ لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ ہی کہا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ: ۱۸۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

(96) بخاری، ابن ماجہ، مسند احمد، عن جابر، صحیحین، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد عن ابن عباس، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن ام معقل، ابن ماجہ عن وھب بن قیس، طبرانی عن ابن الزبیر رضی اللہ عنہم بحوالہ صحیح الجامع ۲/۴/۵۴

(97) بخاری ومسلم، ابوداؤد، نسائی، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی کبیر، مسند احمد، منتقی ابن جارود عن ابن عباس و سمویہ عن انس رضی اللہ عنہ بلفظ: کَحَجَّۃٍ مَعِیْ بحوالہ نسائی مع التعلیقات السّلفیہ ۱/۲۴۳ وارواء الغلیل ۶/۳۲،۳۳ وصحیح الجامع ۲/۴/۵۴

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرآنُ﴾

''ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جسمیں قرآنِ کریم کو نازل کیا گیا۔''

اسلیئے رمضان کو شہر (ماہ) کی اضافت کے بغیر نہیں لکھنا اور کہنا چاہیئے جبکہ اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ احادیثِ نبویہ ﷺ میں سے لفظِ شہر رواۃِ حدیث نے حذف کر دیا ہو۔(نبی ﷺ نے حذف نہ کیا ہو) اور امام بخاری کے اپنی صحیح میں اسکے حکم کی صراحت نہ کرنے کا راز بھی شائد یہی ہے۔ (98) ورنہ امام صاحب کی عادتِ مبارکہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں دلائلِ قویّہ موجود ہوں وہاں حکم کو کھلا نہیں چھوڑتے بلکہ جزماً طے کر دیتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں غالباً اسی احتمال کی بناء پر انھوں نے جزماً حکم بیان نہیں کیا۔

اس کا حل:

لیکن اس سے انکار نا ممکن ہے کہ موصوف کے انداز سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ وہ صرف رمضان کہنے کے جواز کے معاملہ میں جمہور کے ساتھ ہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ترجمۃ الباب میں ہی دو حدیثوں کے متعلقہ مقامات تعلیقاً ہی ذکر کر دیئے جنھیں آگے چل کر موصولاً بھی وارد کیا ہے۔ لہٰذا احتمال کے باوجود انھوں نے ترجیح جواز کو ہی دی ہے۔

رہا معاملہ قرآنِ کریم میں رمضان کے ساتھ لفظ شہر کے وارد ہونے کا تو اس سلسلہ میں علاّمہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''بدائع الفوائد'' میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ جو صرف رمضان کہنے کی کراہت کے قائلین کو تو ضرور پڑھ لینی چاہیئے تاکہ تشفّی ہو جائے البتہ عام قاری کے استفادہ کیلیئے ہم اسکا خلاصہ ذکر کیئے دیتے ہیں:

نبی ﷺ کی احادیث میں آپ ﷺ نے ایجاز و اختصار کیلیئے شہر کا لفظ ترک کر دیا ہوگا۔ یہ قطعاً محال بات ہے کیونکہ قرآنِ کریم سے بڑھ کر ایجاز میں بلیغ اور اعجاز میں بیّن اور کس

(98) فتح الباری ۴/۱۱۳

کی بات ہوسکتی ہے اور یہ بھی محال ہے کہ آپ ﷺ نے کسی حکمت کے بغیر ہی لفظ شہر کو ترک کردیا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑے فائدہ اور عظیم مقصد کے پیشِ نظر کیا گیا ہے۔اور آگے ایک اہم علمی بحث اور فوائد ذکر کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر لکھا ہے کہ قرآنِ کریم میں رمضان کے ساتھ شہر کی آمد کے دو یا اس سے بھی زیادہ فائدے ہیں:

پہلا فائدہ:

ان میں سے پہلا فائدہ یہ ہے کہ اگر قرآن میں اس مقام پر اللہ نے فرمایا ہوتا: ﴿رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرآنُ﴾ تو اس لفظِ رمضان کا یہ تقاضا ہوتا کہ انزالِ قرآن کا وقوع اس پُورے مہینے میں شمار ہو جیسا کہ سیبویہ کا قول گزرا ہے۔(ایک سابقہ علمی بحث کی طرف اشارہ ہے) جبکہ یہ بات (پورے مہینہ میں وقوع) خلافِ حقیقت ہے کیونکہ قرآن کا نزول تو صرف ایک رات اور اسکی بھی ایک گھڑی میں واقع ہوا تھا، لہٰذا پورے ماہ کو کیسے لیا جاسکتا ہے۔لہٰذا لفظِ شہر کا ذکر حقیقت کے موافق ہے۔جیسے آپ کہیں: (سِرْتُ فِیْ شَهْرِ کَذَا) (میں فلاں مہینہ میں چلا) تو یہ چلنا پورے مہینے کو متناول وشامل نہیں ہوتا۔

دوسرا فائدہ:

لفظِ شہر کو رمضان کے ساتھ لانے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر کہا گیا ہوتا: ﴿رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرآنُ﴾ تو یہ مدح وتعظیم خاص اُس ماہ پر ہی منحصر ومحدود رہتی جسمیں قرآن نازل کیا گیا تھا (اور آئندہ سالوں میں آنے والے رمضان کے مہینے اس سے خارج ہوجاتے) جبکہ یہ بات گزر گئی ہے کہ یہ اور ایسے ہی دوسرے اسماء کے ساتھ سالوں کے استمرار پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ نہ ہوتو اس سے مراد صرف وہی سال ہوگا جسمیں تم ہو یا جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے۔تو شہر کا ذکر (جو کہ درحقیقت ہلال ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

ع وَالشَّهْرُ مِثْلَ قَلَامَةِ الظُّفْرِ

یہاں شہر سے مراد ہلال ہے (جو قلم کیئے گئے ناخن جیسا ہوتا ہے) اس تعظیم کے حکم کو ہلال کے ساتھ معلّق کرنے کا متقاضی تھا لہٰذا اب اس نام (رمضان) کا مہینہ چاہے جب بھی آئے اور جس سال میں بھی آئے (اِس تعظیم وشرف کا حامل ہے)

تیسرا فائدہ:

رمضان کے ساتھ قرآنِ کریم میں لفظ شہر کی آمد کا تیسرا فائدہ ''ایامِ معدودات'' کی وضاحت وتبیین ہے کیونکہ گنے چنے دنوں کی وضاحت دنوں اور ماہ کے ذریعے ہی کی جاسکتی ہے یہ وضاحت لفظ رمضان سے تو ہونہیں سکتی کیونکہ اس لفظ کا مادہ دوسرا ہے اور وہ بھی علم ہے۔لہٰذا یہ ٹھیک نہیں کہ اسی سے گنے چنے دنوں کی وضاحت کی جائے جب تک کہ ماہ کا ذکر نہ کیا جائے جو کہ ایام ہی کے معنیٰ میں ہے اور پھر ان ایام کی وضافت اسکی طرف نہ کردی جائے۔

لفظِ رمضان کو شہر کی اضافت کے بغیر لانے کا فائدہ:

قرآنِ کریم میں رمضان کے ساتھ شہر کی آمد کے فوائد کو ذکر کرنے کے بعد علاّمہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب بدائع الفوائد میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شہر کی اضافت کے بغیر صرف لفظِ رمضان کی آمد کا فائدہ بھی ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

((مَـنْ صَامَ رَمَضَانَ ....وَمَـنْ قَامَ رَمَضَانَ)) میں سے لفظ شہر کو حذف کرنے کا بھی ایک فائدہ ہے اور وہ یہ کہ اسطرح سارے مہینے کے روزے آجاتے ہیں۔اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہوتا: ((مَنْ صَامَ اَوْقَامَ شَهْرَ رَمَضَانَ)) تو یہ رمضان ظرف ہوجاتا اور اس جملہ میں ''فی'' مقدّر رہوتا یعنی یہ ہوجاتا: ((مَنْ صَامَ فِیْ رَمَضَانَ. مَنْ قَامَ فِیْ رَمَضَانَ)

اسطرح یہ تعبیر پورے ماہ رمضان کے روزوں اور قیام کو شامل نہ ہوتی پس ان احادیث میں رمضان ''مفعول علیٰ السعۃ'' ہے۔جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿قُمِ اللَّیْلَ﴾ کیونکہ اگر

یہ ظرف ہوتا تو آگے: ﴿اِلَّا قَلِیْلاً﴾ کی ضرورت نہ ہوتی۔ (99)

یہ علّامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع سے متعلقہ بحث کا خلاصہ ہے جو ظاہر ہے کہ اصل کے پائے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا کیونکہ جو کمال علّامہ موصوف کے کلام میں ہے اسکا خلاصہ تیار کرنا کارے دارد، اِسی لیئے ہم اصل کتاب کے ص ۱۰۳ تا ۱۰۵ کے مطالعہ کا مشورہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

سابقہ گزارشات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔ متعلقہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا نا قابلِ استدلال ہے۔ اور قرآنِ کریم میں رمضان کے ساتھ لفظ شھر کی آمد اور حدیث میں اسکے حذف کے متعدد فوائد ہیں جنکا خلاصہ ذکر کردیا گیا ہے۔

الصّوم (روزہ) کا لغوی معنیٰ:

روزہ جسے عربی زبان میں الصّوم کہا جاتا ہے، اسکا لغوی معنیٰ 'الامساک یعنی کسی کام سے رک جانا ہے۔ علّامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر المنار میں، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں صوم کا یہی معنیٰ ذکر کیا ہے۔ (100)

ماہرین لغتِ عربی میں سے ابوعبیدہ نے اس لفظ کے لغوی معنیٰ کی مزید وسعت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

(کُلُّ مُمْسِکٍ عَنْ طَعَامٍ اَوْ کَلَامٍ اَوْسَیْرٍ فَھُوَ صَائِمٌ) (101)

---

(99) مختصر از بدائع الفوائد ۱/۲/۱۰۴۔۱۰۵ طبع دار الکتاب العربی بیروت

(100) دیکھیئے تفسیر المنار ۲/۱۴۴، فتح الباری ۴/۱۰۲، نیل الاوطار ۲/۴/۱۸۶

(101) بحوالہ المنار

''کھانے، بات کرنے یا چلنے سے رک جانے والے کو بھی صائم کہا جاتا ہے۔''

جیسے(رَجُلٌ صَائِمٌ) ''کھانے پینے سے رکا ہوا آدمی''،(فَرَسٌ صَائِمٌ) چلنے سے رکا ہوا گھوڑا''اور بات کرنے سے رکے ہوئے کو بھی صائم کہا جاتا ہے جیسا کہ خود قرآنِ کریم کی سورۂ مریم، آیت:۲۶ میں حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَداً فَقُوْلِیْ: اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْماً، فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنسِيًّا﴾

''اگر کوئی بشر تمہیں نظر آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کیلئے روزے کی نذر مانی ہے اسلیئے آج میں کسی سے نہیں بولوں گی۔''

تو گویا بولنے سے رک جانے کو بھی ''صوم'' یا روزہ قرار دیا گیا ہے۔

الصوم (روزہ) کا شرعی و اصطلاحی معنٰی:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی طرح امام نووی اور شوکانی نے بھی لفظِ صوم کا اصطلاحی معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

(وَفِی الشَّرْعِ اِمْسَاکٌ مَخْصُوْصٌ فِیْ زَمَنٍ مَخْصُوْصٍ بِشَرَائِطٍ مَخْصُوْصَةٍ)(102)

''اصطلاحِ شرع میں صوم کا معنیٰ ہے: مخصوص رک جانا (یعنی کھانے پینے وغیرہ سے) مخصوص وقت کیلئے اور مخصوص شرائط کے ساتھ۔''

جبکہ تفسیر ابن کثیر (۲۱۳/۱) میں لکھا ہے:

(هُوَ الْاِمْسَاکُ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْوِقَاعِ بِنِيَّةٍ خَالِصَةٍ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)

(102) الفتح والنیل

''اللہ تعالیٰ کیلئے خالص نیّت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع کرنے سے رک جانے کا نام روزہ ہے۔''

بعض فقہاء نے طلوعِ فجر سے لیکر غروبِ آفتاب تک پورا دن، اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے پیٹ اور نفس کی خواہشات سے باز رہنے کو روزہ کہا ہے اور یہ تعریف اتنی جامع ہے کہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

شک کے دن کا یا سلامی و استقبال کا روزہ:

بعض لوگ رمضان المبارک کی آمد سے دو ایک دن پہلے روزہ رکھتے ہیں جسے ''سلامی'' یا استقبالِ رمضان کا روزہ کہتے ہیں اور انکا نظریہ دراصل یہ ہوتا ہے کہ اگر چاند انتیس (۲۹) کا ہوا اور کسی وجہ سے نظر نہ آیا تو ہمارا یہ روزہ رمضان کا پہلا روزہ ہوجائے گا ورنہ ایک روزہ کم رہ جانے کا اندیشہ ہے اور اگر چاند تیس (۳۰) کا ہی ہوا تو ہمارا یہ روزہ محض رمضان کو ''سلامی دینے'' یا پھر اسکا ''استقبال'' کرنے کیلئے ہوجائیگا۔ لیکن ان کا یہ نظریہ قطعاً غلط ہے کیونکہ شک کے دن کا یا سلامی و استقبال کا روزہ رکھنا صحیح احادیث کی رو سے منع ہے اور ایسا کرنے پر ثواب کی بجائے نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی نافرمانی وعدمِ اطاعت کا گناہ لازم آتا ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْيَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ يَصُوْمُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذَالِكَ الْيَوْمَ)) (103)

''تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے سوائے اس شخص کے جو کسی دن (پیر وجمعرات) کا روزہ رکھتا آرہا ہو (اور وہ دن رمضان سے ایک یا دو دن پہلے یعنی آخر شعبان میں آجائے) تو وہ روزہ رکھ لے۔''

---

(103) بخاری مع الفتح ۱۰۹/۴، ریاض الصالحین، ص ۴۸۱

اس شخص سے وہ آدمی مراد ہے جو مثلاً صومِ داؤدی (ایک دن خالی اور ایک دن کا روزہ) رکھتا ہے یا ہر ہفتہ میں سوموار (پیر) اور جمعرات کا ہمیشہ سے روزہ رکھتا آرہا ہے جو کہ مسنون ومستحب بھی ہیں (جیسا کہ ان کی تفصیل اس کتاب کے دوسرے حصہ ''احکام ومسائلِ روزہ'' میں آئے گی) ایسے شخص کو حسبِ سابق روزہ رکھنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

اگر کوئی شعبان کے آخر دن کا روزہ محض اس شک کی بنیاد پر رکھتا ہے کہ شائد رمضان شروع ہو چکا ہو اور کسی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو، ایسے شک کے دن کا روزہ رکھنے والے کو حدیثِ شریف میں نبی ﷺ کا نافرمان قرار دیا گیا ہے چنانچہ سننِ اربعہ ودارمی اور صحیح ابن حبان میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِیْ يُشَکُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصَىٰ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ)) (104)

''جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا، اس نے ابوالقاسم (حضرت محمد ﷺ) کی نافرمانی کی۔''

یہ حدیث جیسا کہ اسکے الفاظ ہی بتا رہے ہیں، حضرت عمّار رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے البتہ علّامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارواء الغلیل میں کہا ہے کہ یہ موصولاً بھی مروی ہے اور اس موصول کی سند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ للزیلعی (۲/۴۴۲) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

رمضان سے ایک دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت ترمذی ونسائی کی حسن درجہ کی سند والی ایک اور حدیث میں بھی آئی ہے جسمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا تَصُوْمُوْا قَبْلَ رَمَضَانَ، صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَافْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ، فَاِنْ حَالَتْ دُوْنَهٗ غَيَابَةٌ فَاَکْمِلُوْا ثَلَاثِيْنَ يَوْماً)) (105)

---

(104) ارواء الغلیل ۲/۱۲۷ وصححہ موقوفاً علیٰ عمّار رضی اللہ عنہ وریاض الصالحین، ص ۴۸۱

(105) بحوالہ ریاض الصالحین، ص ۴۸۱

''رمضان سے (دو ایک دن) پہلے روزہ نہ رکھو، چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر ہی عید کرو۔ ہاں اگر اسکے سامنے کچھ حائل (ابر یا غبار) ہوتو (ماہِ رواں کے) تیس (۳۰) دن مکمل کرلو۔''

ایسے ہی صرف دو ایک دن رمضان سے پہلے تو کیا، ایک حدیث سے تو پتہ چلتا ہے کہ شعبان کا جب دوسرا نصف شروع ہو جائے تو پھر نفلی روزے رکھنا چھوڑ دینا چاہیئے چنانچہ ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا بَقِیَ نِصُفُ شَعُبَانَ فَلَا تَصُوُمُوُا)) (106)

''جب نصفِ شعبان باقی رہ جائے تو روزہ نہ رکھو۔''

اہل علم نے پندرہ شعبان کے بعد نفلی روزے نہ رکھنے کے حکم کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی ہے کہ آئندہ چونکہ ماہِ رمضان المبارک کے فرض روزے آرہے ہیں لہٰذا نفلی روزے نہیں رکھنے چاہییں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفلی روزوں سے آدمی کے قوائے جسمانی کمزور پڑ جائیں اور اسکے نتیجہ میں کہیں کسی فرض روزے کی قضاء کی نوبت نہ آجائے۔ (107)

بہرحال رمضان سے دو ایک دن پہلے امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہما سمیت جمہور اہلِ علم کے نزدیک شک کی بناء پر روزہ رکھنا منع ہے۔ (108)

ایامِ رمضان کل تعداد:

مروجہ عالمی تقویم یا عیسوی کیلنڈر کے مہینوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکے بعض مہینے اکتیس (۳۱) دنوں کے ہوتے ہیں اور بعض تیس (۳۰) کے۔ جبکہ فروری تین سال تک تو

(106) بحوالہ سابقہ و مشکوٰۃ ۱/۶۱۶ وصححہ الالبانی (107) انظر المرعاۃ ۴/۲۱۱

(108) ملاحظہ فرمائیں شرح مسلم نووی ۴/۷/۱۸۹-۱۹۰، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، زاد المعاد ۲/۳۹-۴۹ بتحقیق الارناؤط۔ فان فیہ بحث مھم جداً۔

اٹھائیس (۲۸) دنوں کا رہتا ہے اور ہر چوتھے سال جسے ''لیپ کا سال'' کہا جاتا ہے اسمیں یہی ماہ فروری انتیس دنوں کا ہوتا ہے اور ''لیپ'' کے سال کی معروف علامت یہ ہے کہ ہر وہ سنہ جو چار پر تقسیم ہو جائے وہ ''لیپ'' ہوگا۔ اسکا فروری انتیس (۲۹) کا ہوگا۔ جیسے ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۶ء، ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۴ء وغیرہ گزرے ہیں اور ۲۰۰۸ء، ۲۰۱۲ء اور ۲۰۱۶ء آرہے ہیں۔ یہ سب لیپ کے سال ہیں۔

ایسے ہی ساون بھادوں کے مہینوں والی بکرمی تقویم میں بھی انتیس (۲۹) تیس (۳۰) اور اکتیس (۳۱) دنوں کے مہینے ہیں اور ان میں سے کبھی کبھی ایک مہینہ بتیس (۳۲) دنوں کا بھی ہوتا ہے مگر ہجری تقویم یا سلامی کیلنڈر کے تمام مہینے صرف انتیس (۲۹) یا تیس (۳۰) دنوں کے ہی ہوتے ہیں اور اٹھائیس، اکتیس یا بتیس دنوں کا کوئی مہینہ نہیں ہوتا چنانچہ علاّمہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ اس بات پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم اور تیس دنوں سے زیادہ نہیں ہوتا۔ (بدایۃ المجتہد ۲/۹۲ طبع مؤسسۃ الناصر)

اس اجماع کی دلیل صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد، نسائی، بیہقی اور مسند احمد میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے جسمیں وہ بتاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّـا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ، لَا نَـكْتُـبُ وَلَا نَـحْسِـبُ، اَلشَّهْـرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰـكَـذَا، وَعَـقَـدَ الْاِبْهَـامَ فِـى الثَّالِثَةِ، ثُمَّ قَالَ: اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰـكَـذَا، يَـعْـنِـىْ تَـمَـامَ الثَّلَاثِيْـنَ يَـعْنِىْ مَرَّةً تِسْعاً وَّعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِيْنَ)) (109)

''ہم ایک اَن پڑھ قوم ہیں۔ نہ ہم لکھتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں۔ مہینہ یوں ہے، یوں ہے اور یوں ہے۔ اور تیسری مرتبہ یوں کہتے ہوئے

(109) صحیح ابی داؤد ۲/۴۴۱ طبع مکتب التربیہ بالریاض، مشکوٰۃ ۱/۶۱۵ ومع المرعاۃ ۴/۲۰۸-۲۰۹

آپ ﷺ نے اپنا انگوٹھا موڑ لیا اور پھر فرمایا کہ مہینہ یوں ہے یوں ہے اور یوں ہے۔(اور اس مرتبہ انگوٹھا نہ موڑا اور) پورا تیس کا اشارہ فرمایا۔یعنی مہینہ یا تو انتیس (۲۹) دنوں کا ہوتا ہے یا پھر تیس (۳۰) دنوں کا۔''

یہ اسلیئے کہ آپ ﷺ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا لیکن تیسری مرتبہ انگوٹھا بند کرلیا جس کا معنیٰ ہے انتیس دن اور دوسری مرتبہ انگوٹھا نہ موڑا، یوں تیس (۳۰) دن بنتے ہیں۔

رؤیتِ ھلال رمضان وعید:

کسی بھی عربی مہینے کا دخول صرف دو ہی طرح سے ثابت ہوسکتا ہے۔

اولاً: رؤیتِ ہلال سے۔ ثانیاً: ماہِ رواں کے اکمال سے۔

مثلاً ماہِ رمضان کا چاند نظر آجائے تو اگلے دن روزہ ہوگا چاہے شعبان کے ابھی انتیس (۲۹) دن ہی گزرے ہوں اور اگر انتیس (۲۹) شعبان کو مطلع ابر آلود و گرد آلود ہونے یا کسی بھی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو ماہِ شعبان کی گنتی تیس (۳۰) دن پوری کر کے اگلے دن کا روزہ ہوگا چاہے چاند نظر آئے یا نہ آئے۔اِسی طرح ہی اگر انتیس (۲۹) رمضان کو چاند طلوع نہ ہو یا ابرو گرد اور باد و باراں وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس (۳۰) دن کی گنتی پوری کی جائیگی اور اس سے اگلے دن بہر صورت عید کی جائے گی، تیس رمضان کو شام کے وقت خواہ چاند نظر آئے یا نہ آئے۔اور اگر انتیس (۲۹) رمضان کی شام چاند نظر آجائے تو اگلا دن یکم شوال یعنی عید الفطر کا دن ہوگا۔

اس اصول کی بنیاد صحیح بخاری و مسلم، نسائی اورمسند احمد میں وارد اس ارشادِ نبوی ﷺ پر ہے جسمیں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَاتَصُوْمُوْاحَتّٰی تَرَوُاالْھِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْاحَتّٰی تَرَوْہُ،فَاِنْ غُمَّ

عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهُ(وَفِیْ رِوَايَةٍ) فَاكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ))(110)

''اسوقت تک روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک کہ ہلالِ رمضان نہ دیکھ لو اوراس وقت تک افطار(عیدالفطر) نہ کرو جب تک کہ اسے (یعنی ہلالِ عیدکو) دیکھ نہ لواوراگر(بادوباراں وغیرہ کی وجہ سے)وہ نظرنہ آئے تواسکا حساب کرلو۔(اورایک دوسری روایت میں اسکی تشریح بھی آگئی ہے کہ) ماہِ رواں شعبان کی گنتی تیس (۳۰) دن پوری کرلو۔''

رؤیتِ ہلال رمضان کی شہادت:

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ رؤیتِ ہلال میں یہ شرط نہیں کہ ہر ہر آدمی خوداپنی آنکھ سے ہی چاند دیکھے تو روزہ رکھے یا عید کرے بلکہ روزہ رکھنے کے لیئے ایک عاقل وبالغ ،نیک خصال وصدق مقال اورقوی النظر شخص شہادت دے دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے تو اسکی شہادت پر روزہ رکھنا واجب ہو جائیگا جیسا کہ ابوداؤد، ابن حبان ،مستدرک حاکم ، دارمی اوربیہقی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((تَرَاءَی النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنِّیْ رَاَيْتُهُ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهٖ))(111)

''لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوخبردی کہ میں نے چاند دیکھا ہےتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خودبھی روزہ رکھا اورلوگوں کوبھی روزہ رکھنے کاحکم فرمایا۔''

یہ توایک معروف آدمی کی شہادت کا معاملہ ہےلیکن اگرکوئی شخص مستورالحال ہو، اسکے

(110) الفتح الربانی ترتیب وشرح مسنداحمد ۹/ ۲۴۷ وبحوالہ مشکوٰۃ ۱/ ۶۱۵

(111) المنتقیٰ مع النیل ۲/۴/ ۱۸۷، مشکوٰۃ ۱/ ۶۱۷، ارواء الغلیل ۴/ ۱۶ وصحّحہ، بلوغ الأمانی شرح مسند احمد ۹/ ۲۶۷

فسق و گناہگارِ کبائر یا عدمِ فسق کا علم نہ ہو تو ایک حدیث کی رو سے اس سے توحید و رسالت کی شہادت کا مطالبہ کرنے کے بعد اسکی شہادت قبول کی جاسکتی ہے جیسا کہ سننِ اربعہ و دارقطنی ،ابن حبان، بیہقی ومستدرک حاکم اور دارمی میں ایک متکلّم فیہ حدیث ہے کہ ایک آدمی (اعرابی) نے نبی ﷺ کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔آپ ﷺ نے اس سے اقرارِ توحید و رسالت کی شہادت طلب کی ۔اس نے اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔تب نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا:

((يَا بِلَالُ!اَذِّنْ فِی النَّاسِ فَلْيَصُومُوا غَداً))(112)

''اے بلال (رضی اللہ عنہ)!لوگوں میں اعلان کردو کہ کل وہ روزہ رکھیں۔''

صرف ایک شاہد کی گواہی سے رمضان کا آغاز ثابت ہونا جمہور اہلِ علم کا مسلک ہے جن میں امام ابن المبارک، مشہور قول کے مطابق امام شافعی ،امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور احناف بھی شامل ہیں۔(113)

رؤیتِ ھلالِ عید کی شہادت:

ہلالِ رمضان کی رؤیت جیسی صورت ہی ہلالِ عید کے بارے میں بھی ہے سوائے اسکے کہ ابتداءِ رمضان یا روزہ رکھنے کے لیئے صرف ایک ہی مسلمان کی شہادت کافی ہوتی ہے مگر انتہائے رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کے بارے میں دو گواہوں کی شہادت ضروری ہے جیسا کہ ابوداؤد ونسائی، دارقطنی اور مسند احمد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ عہدِ نبوت میں ایک دفعہ انتیس (۲۹) رمضان کی شام کو چاند نظر نہ آیا تو لوگوں نے صبح تیسواں (۳۰) روزہ رکھا۔دن کے وقت دو اعرابی آئے اور انہوں نے رات کو چاند دیکھ لینے کی شہادت دی تو نبی ﷺ نے لوگوں کو

(112) مشکوٰۃ ۱/۶۱۶۔۶۱۷ ،الارواء ۴/۱۵ وضعّفہٗ ، بلوغ الأمانی ۹/۲۶۷ وصحّحہ الحاکم فی المستدرک ۱/۴۲۴ ووافقہ الذھبی

(113) بلوغ الأمانی شرح مسند احمد الشیبانی ۹/۲۶۸ ونیل الاوطار ۲/۴/۱۸۷

حکم فرمایا کہ روزہ افطار کرلیں۔[114]

اسی حدیث اور ایسی ہی بعض دیگر احادیث[115] سے استدلال کیا جاتا ہے کہ عید کے چاند کے لیئے دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے اور اس کے قائلین میں آئمہ اربعہ بھی شامل ہیں اور ان سب کا ایک دوسرا قول بھی ہے۔[116] اگرچہ بعض اہلِ علم نے ہر دو کے لیئے ہی ایک ایک شہادت اور بعض نے ہر دو کے لیئے دو دو شہادتوں کو ضروری قرار دیا ہے۔صرف ایک ہی شاہدِ عادل کی گواہی سے ہلالِ عید کا اثبات امام ابوثور کا قول ہے جسے امام شوکانی نے ظاہر وراجح قرار دیا ہے۔[117] لیکن ان کے پاس کوئی صحیح ومرفوع حدیث پر مبنی دلیل نہیں ہے۔صرف عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ سے مروی ایک اثرِ فاروقی ہے جو کہ مسند احمد و بزار میں ہے اسمیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے شوال کا چاند دیکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(یَاَیُّھَاالنَّاسُ ! اِفْطِرُوْا)[118] ''اے لوگو! روزہ افطار کرلو۔''

لیکن ایک تو یہ اثر ہے مرفوع حدیث نہیں دوسرے یہ کہ یہ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے بلکہ علاّمہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے لکھا ہے:

''اسکی سند میں ایک راوی عبدالاعلیٰ ثغلبی ہے جس کے بارے میں امام نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوّی نہیں ہے، تاہم اسکی حدیث لکھی جائیگی اور دیگر آئمہ فن نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''(بحوالہ بلوغ الامانی ۹/ ۲۶۷)

---

(114) الفتح الربّانی ترتیب مسند احمد وشرحہ ۹/ ۲۶۵ وقال: اسنادہٗ حسن ثابت
(115) الفتح وشرحہ ۹/ ۲۶۴۔۲۷۰ ونیل الاوطار ۲/۴/ ۱۸۶۔۱۸۹
(116) بلوغ الأ مانی ۹/ ۲۶۹
(117) النیل ۲/۴/ ۱۸۸
(118) الفتح الربّانی ۹/ ۲۶۶۔۲۶۷

لہٰذا یہ تو قابلِ حجت نہ ہوا۔اور امام شوکانی رحمۃ اللہ نے انکی تائید میں جو اندازِ استدلال اختیار فرمایا ہے اسکی تفصیل نیل الاوطار میں دیکھی جاسکتی ہے۔(119) اب رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ رمضان وعید ہر دو کے اثباتِ ہلال کے لیئے دو گواہ ضروری ہیں انکا استدلال نسائی ودارقطنی اور مسنداحمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہے جسمیں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((..فَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ فَصُوْمُوْا وَاَفْطِرُوْا))

اور مسنداحمد میں شَاهِدَانِ کے بعد مُسْلِمَانِ بھی ہےاور دارقطنی میں ذَوَا عَدْلٍ ہے۔(120)

’’اگر دو گواہ جو مسلمان ہوں اور عادل ہوں، وہ گواہی دے دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہےتو انکی گواہی پر روزہ رکھواور افطار (عید) کرو۔‘‘

اس حدیث کی تائیدابوداؤدودارقطنی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسمیں امیرِ مکّہ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((عَهِدَاِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ نُنْسِکَ لِلرُّؤْیَةِ فَاِنْ لَّمْ نَرَهُ وَشَهِدَ شَاهِدَا عَدْلٍ نَسَکْنَا بِشَهَادَتِهِمَا))(121)

’’ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ہم رؤیتِ ہلال پر عمل کریں اوراگر چاندنہ دیکھ پائیں اور دو عادل شاہد گواہی دے دیں تواس پر عمل کرلیں۔‘‘

ان احادیث میں رمضان وعید ہر دو کے اثبات کے لیئے دو گواہ مذکور ہیں لیکن رمضان کے سلسلہ میں چونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کی روایات میں ہے کہ ایک ہی گواہ کی

(119) النیل ۲/۴/۱۸۷۔۱۸۸

(120) الفتح الربانی ۹/۲۶۴۔۲۶۵ وبحوالہ المنتقیٰ مع النیل ۲/۴/۱۸۷۔۱۸۸، ارواء الغلیل ۴/۱۶۔۱۷ وصحّحہ

(121) المنتقیٰ ۲/۴/۱۸۹ وصحّحہ الدارقطنی

شہادت پر روزہ رکھا گیا تھا لہٰذا ان ہر دو مواقع کے مابین فرق واضح ہو گیا۔اور دو والی احادیث کے تو صرف مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کی شہادت سے روزہ نہیں رکھا جائیگا جبکہ ایک کی شہادت سے روزہ رکھنے والی احادیث کا منطوق (ظاہری الفاظ ومفہوم) بتاتا ہے کہ ایک کی شہادت اس موقع کے لیئے کافی ہے اور مفہوم سے منطوق کی دلالت راجح ہوتی ہے لہٰذا اثباتِ رمضان کے لیئے ایک ہی شہادت کافی ہے۔[122]

فیصلہ کن بات:

ان مختلف اقوال اور احادیث کے مابین جمع وتطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے اور یہی فیصلہ کن بات بھی ہے کہ روزے کے لیئے ایک اور عید کے لیئے دو گواہوں والی بات ہی زیادہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ روزہ ایک بوجھ یا مشقت محسوس ہوتا ہے اسکی شہادت وگواہی دینے میں کسی شبہے کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ عید کے چاند سے ایک خوشی ہوتی ہے اور ایک شخص کی شہادت میں شبہے کا احتمال ممکن ہے لہٰذا اسکے لیئے دو آدمیوں کی گواہی کا ہونا ہی مناسب ہے۔[123]

ایک نادر صورت:

اگر چاند نظر نہ آئے اور نہ ہی کوئی شہادت ہو تو تیس (۳۰) کی تعداد پوری کر لینی چاہیئے اور اگر کوئی ایسی شہادت ہو جو شرعاً معتبر نہ ہو تو ایسے موقع پر شہادت دینے والا خواہ واقع میں سچا ہی کیوں نہ ہو اسے اکیلے اپنی رؤیت پر عمل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ باقی لوگوں کے ساتھ رہے جس دن سب لوگ روزہ رکھیں وہ بھی رکھے اور جس دن سب لوگ عید کریں اسی دن وہ بھی عید کرے اور قربانی وعید الاضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ابوداؤد وترمذی، ابن ماجہ وبیہقی اور دارقطنی میں حدیث ہے:

(122) بلوغ الامانی ۹/۲۶۸

(123) فتاویٰ علماء حدیث ۶/۱۹۳ مؤلّف مولانا علی محمد سعیدی، اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدالعزیز نورستانی ص ۳۷، مکتبہ ایوبیہ، کراچی

((اَلصَّوْمُ یَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطْرُیَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَالْاَضْحیٰ یَوْمَ تُضَحُّوْنَ)) (124)

”روزے کا دن وہی ہے جس دن تم سب لوگ روزہ رکھو اور عید کا دن وہی ہے جس دن تم سب لوگ عید کرو اور عید الاضحیٰ وقربانی کا دن وہی ہے جس دن تم سب قربانی کرو۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کبھی پہلا روزہ کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکا ہو اور اٹھائیس روزے پورے ہونے پر ہلالِ عید نظر آجائے جیسا کہ پچھلے سالوں میں ایک مرتبہ ان عرب ممالک (خلیجی ریاستوں اور سعودی عرب) میں ایسا ہوگیا تھا تو ایسے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر عید کرلینی چاہیئے بلاوجہ مسلمانوں کی عید کے دن انتیسویں روزے کے لیئے بضد نہیں ہونا چاہیئے البتہ چونکہ یہ متفق علیہ بات ہے کہ کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوسکتا لہٰذا عید کے بعد سب کو ایک روزہ قضاء ضرور رکھ لینا چاہیئے تاکہ تلافیٔ مافات ہوجائے اور مسلمانوں کی عید کی اجتماعی خوشیوں میں شرکت بھی ہوجائے اور چاند چونکہ نظر آگیا ہے لہٰذا صحیحین وسنن میں وارد حدیثِ نبوی ﷺ:

((صُوْمُوْالِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْالِرُؤْیَتِہٖ)) (125) پر بھی عمل ہوجائیگا۔ (126)

اس سلسلہ میں اُس سال متعدد کبار علماء کے فتاویٰ بھی صادر ہوئے تھے جن میں یہی بات بیان کی گئی تھی۔ (127)

---

(124) الارواء ۴/۱۱، ۱۴اوصحّحہٗ، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۵/۱۱۴، فتاویٰ علماءِ حدیث ۶/۱۹۴

(125) الارواء ۴/۳، المنتقی ۲/۴/۱۸۹

(126) ملخصہٗ فی الفتاویٰ ۶/۲۰۷

(127) فتویٰ الشیخ ابن بازؒ فی فتاویٰ اسلامیہ ۲/۱۳۲ طبع دارالقلم، بیروت

دوسرے مقام کی رؤیت:

اگرایک جگہ کے لوگ رمضان یا عید کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں لیکن بادل وباراں یا گرد وغبار کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکیں اور کسی دوسرے مقام پر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے چاند دیکھ لیا جائے اور وہاں سے ٹیلیفون یا ٹیلیگرام (تار) کے ذریعے خبر پہنچ جائے کہ چاند دیکھا گیا ہے تو ٹیلیفون کی شکل انتہائی واضح ہے کہ اس پر اعتبار کیا جائے گا کیونکہ خبر دینے والے کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا۔ البتہ ٹیلیگرام کے بارے میں فقہاء کی رائے کافی مختلف یا تفصیل پر مشتمل ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح ہم اپنے دنیوی امور میں تار کو معتبر سمجھتے ہیں ایسے ہی اگر متعدد لوگوں کی طرف سے اتنے تار آجائیں جو حدِ تواتر کو پہنچ جائیں اور خبر کا یقین ہو جائے تو وہ تار والی خبر بھی معتبر ہوگی۔ اور یہی معاملہ فیکس، قریبی ریڈیو، ٹی۔وی اور انٹرنیٹ (ای، میل) کی خبر کا بھی ہے۔ کسی اسلامی ملک یا غیر مسلم ملک کے مسلمانوں کی کسی انجمن کی طرف سے بنائی گئی رؤیتِ ہلال کمیٹی چاند نظر آنے کا اعلان کردے (جسے ان کے حوالے سے چاہے کوئی غیر مسلم اناؤنسر ہی کیوں نہ نشر کرے) اس ملک یا اس مقام کے ہمسایہ ممالک کے قریبی علاقوں میں رہنے والے عوام کے لیئے شرعی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ وہ ہلالِ رمضان ہو تو روزہ رکھ سکتے ہیں اور اگر ہلالِ شوال ہو تو عید کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں چاند کی خبر ہونے پر سنن اربعہ و دارمی والی حدیث میں نبی ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ((اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا))[128] کے الفاظ سے روزے کے اعلان کا حکم دینا سرکاری اعلان کی حیثیت سے قابلِ توجہ امر ہے۔

اختلافِ مطالع کا اعتبار:

لیکن یہاں ایک اہم بات پیشِ نظر رہے کہ ریڈیو، ٹی۔وی، ٹیلیفون، ٹیلیگرام یا انٹرنیٹ کی خبر تو چند لمحات میں اطراف واکنافِ عالَم میں پہنچ جاتی ہے تو کیا جہاں کہیں بھی چاند نظر آئے اور جہاں جہاں تک خبر پہنچ جائے ان سب لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جائیگا؟

(128) حوالہ جات گزر گئے ہیں

یہ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جو ''اختلافِ مطالع'' کے عنوان سے محدّثینِ عظام اور فقہاءِ کرام میں عہدِ قدیم سے ہی معروف چلا آرہا ہے اور اہلِ علم نے اس موضوع پر بڑی طول طویل بحثیں لکھی ہیں جن سے شروحِ حدیث اور کتبِ فقہ بھری پڑی ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کونکھارنے کا حق ادا کردیا ہے۔ان تمام بحوث کا خلاصہ جسے ''عطرِ گل'' کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ:

پوری دنیا میں چاند کا مطلع یا وقتِ طلوع ایک نہیں ہوسکتا بلکہ بعض ممالک میں چاند شام کونظر آسکتا ہے جبکہ دوسرے دور کے ممالک میں اُسی دن چاند کا نظر نہ آنا آج ایک کھلی ہوئی حقیقت بن چکا ہے لہٰذا اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائیگا یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس دن سعودی عرب اور قریبی خلیجی ریاستوں یا ممالک میں روزہ یا عید ہواُسی دن پاک و ہند اور دنیا کے دیگر دورافتادہ ملکوں میں بھی ہواور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس دن ایران وافغانستان میں روزہ یا عید ہواُسی دن انڈیا اور بنگلادیش میں بھی ہو بلکہ ہر ملک کی اپنی اپنی رؤیت ہے اور وہاں کے رہنے والے لوگ اسی کے پابند ہیں۔اس بات کواحناف نے بھی مانا ہے۔(129)

مطالع میں اختلاف کے لیئے مسافت:

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ وہ دوری کتنی ہے کہ جس میں دوجگہوں یاملکوں میں چاند کا مختلف دنوں میں نظر آنا ممکن ہے اور اس دوری ومسافت پر واقع ممالک کی اپنی اپنی رؤیت شمار ہوگی۔اس مسافت کے سلسلہ میں بھی فقہاء اور اہلِ علم نے متعدد آراء ظاہر کی ہیں بعض نے مجمل طور پر لکھا ہے کہ عراق وحجاز اور شام ایسے ممالک ہیں اوراتنی دوری پر واقع ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے لیئے ایک دوسرے کے ملک کی رؤیت کافی نہیں اور نہ ہی وہ دوسرے ملک کی رؤیت پر عید کرنے یا روزہ رکھنے کے پابند ہیں بلکہ ان تینوں ملکوں میں سے ہر ملک خود اپنی رؤیت پر انحصار کریگا۔اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کے ارشاد:

---

(129) دیکھیئے جدید فقہی مسائل از مولانا خالد سیف اللہ،ص ۲۹ ومابعد

(لِكُلِّ اَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ) ’’ہر ملک کی اپنی اپنی رؤیت ہے‘‘

کا یہی مطلب ہے کہ ایسے ملکوں کی اپنی اپنی رؤیت ہے۔(130)

اس مجمل مسافت یا دوری کی مزید وضاحت اس امر سے بھی ہو جاتی ہے کہ علمِ ہئیت وجغرافیہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت چاند اگر کسی ملک میں آٹھ درجے بلند ہے تو وہ غروبِ آفتاب کے بعد تیس (۳۰) منٹ تک رہے گا۔ایسا چاند اس مقامِ رؤیت سے مشرقی علاقہ میں پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) یا پانچ سو (۵۰۰) میل تک ضرور موجود ہوگا تو گویا جہاں چاند نظر آجائے وہاں سے مشرق کی جانب پانچ سو ساٹھ (۵۶۰) یا کم از کم پانچ سو (۵۰۰) میل تک طلوعِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔اس سے آگے نہیں اور مقامِ رؤیت سے مغربی جانب کے ممالک میں مطلقاً رؤیتِ ہلال کا اعتبار ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مشرق میں چاند نظر آجائے تو مغرب میں اسکا طلوع ضروری ہے لیکن مغرب میں اسکے دیکھے جانے سے مشرق میں بھی اسکا دیکھا جانا ضروری نہیں۔(131)

علماء وفقهاءِ احناف کی نظر میں:

پاک و ہند کے معروف حنفی عالم ومحقّق مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور مختلف فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات بھی نقل کیئے ہیں مثلاً وہ ’’مراقی الفلاح‘‘ نامی کتاب سے اسکے مصنّف کا اختلافِ مطالع کے بارے میں نظریہ انکے اپنے الفاظ سے یوں نقل کرتے ہیں:

(وَقِيْلَ يَخْتَلِفُ ثُبُوْتُهُ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ وَاخْتَارَهُ صَاحِبُ

(130) المغنی لابن قدامہ ۳/۸۱ طبع دوم ۴/۳۲۸ طبعہ جدیدہ محقّقہ

(131) بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، شمارہ بابت ۱۶ جنوری ۱۹۸۷ء نیز دیکھیئے: رمضان المبارک کے فضائل واحکام علّامہ عبیداللہ رحمانیؒ (صاحبِ مرعاۃ) ص ۸۔۱۲ طبع جامعہ سلفیہ بنارس

التَّجْرِیْدِ، کَمَا اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عِنْدَ قَوْمٍ وَغَرَبَتْ عِنْدَ غَیْرِھِمْ. فَالظُّھْرُ عَلٰی الْاَوَّلِیْنَ لَاالْمَغْرِبَ لِعَدَمِ اِنْعِقَادِ السَّبَبِ فِیْ حَقِّھِمْ)

''بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کی وجہ سے رؤیتِ ہلال کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے۔ تجرید القدوری کے مصنّف نے اسی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ جب کچھ لوگوں کے یہاں سورج سر سے ڈھل جائے اور دوسروں کے یہاں غروب ہوجائے تو پہلے لوگوں پر ظہر ہے نہ کہ مغرب، کیونکہ انکے حق میں مغرب کا سبب متحقّق نہیں ہوا ہے۔''

''مراقی الفلاح'' کے حاشیہ پر علاّمہ طحطاوی لکھتے ہیں:

(وَھُوَ الْاَشْبَہُ لِاَنَّ اِنْفِصَالَ الْھِلَالِ مِنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ یَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ الْاَقْطَارِ کَمَا فِیْ دُخُوْلِ الْوَقْتِ وَخُرُوْجِہٖ وَھٰذَا مُثْبَتٌ فِیْ عِلْمِ الْاَفْلَاکِ وَالْھَیْئَۃِ وَاَقَلُّ مَا اخْتَلَفَ الْمَطَالِعُ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ کَمَا فِی الْجَوَاھِرِ)

''یہی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ چاند کا سورج کی کرنوں سے الگ ہونا علاقوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے جیسا کہ اوقات (نماز) کی آمدورفت میں۔ اور یہ فلکیات وعلم ہیئت کے مطابق ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور کم از کم جس مسافت سے اختلافِ مطالع واقع ہوتا ہے وہ جواہر نامی کتاب کے مطابق ایک ماہ کی مسافت ہے۔''

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

(اَھْلُ بَلْدَۃٍ اِذَا رَأَوْاالْھِلَالَ ھَلْ یَلْزَمُ فِیْ حَقِّ کُلِّ بَلْدَۃٍ؟ اُخْتُلِفَ فِیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَالَ: لَایَلْزَمُ.... وَفِی الْقُدُوْرِیِّ: اِنْ کَانَ بَیْنَ الْبَلْدَتَیْنِ تَفَاوُتٌ لَا یَخْتَلِفُ بِہِ الْمَطَالِعُ یَلْزَمُہٗ)

''ایک شہر والے جب چاند دیکھ لیں تو کیا تمام شہروں والوں کے حق میں رؤیت لازم ہوجائے گی؟ اسمیں اختلاف ہے، بعض کی رائے ہے کہ لازم نہیں ہوگی اور قدوری میں ہے کہ اگر دوشہروں کے مابین ایسا تفاوت ودوری ہوکہ مطلع تبدیل نہ ہوتا ہوتو اس صورت میں رؤیت لازم ہوگی۔''

صاحبِ ہدایہ اپنی ایک دوسری کتاب ''مختارات النوازل'' میں لکھتے ہیں:

(اَهْلُ بَلْدَةٍ صَامُوْا تِسْعَةً وَّعِشْرِيْنَ يَوْماً بِالرُّؤْيَةِ وَاَهْلُ بَلْدَةٍ اُخْرىٰ صَامُوْا ثَلَاثِيْنَ بِالرُّؤْيَةِ فَعَلَى الْاَوَّلِيْنَ قَضَاءً اِذَا لَمْ يَخْتَلِفِ الْمَطَالِعُ بَيْنَهُمَا ،اَمَّا اِذَا اخْتَلَفَ لَايَجِبُ الْقَضَاءُ)

''ایک شہر والوں نے رؤیتِ ہلال کے بعد ۲۹ روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے چاند کی بناء پر ۳۰ روزے رکھے تو اگر ان دونوں شہروں میں مطلع کا اختلاف نہ ہوتو ۲۹ روزے رکھنے والوں کو ایک دن کی قضاء کرنی چاہیئے اور اگر دونوں شہروں کا مطلع جداگانہ ہوتو قضاء کی ضرورت نہیں۔''

معروف حنفی محدّث علاّمہ زیلعی نے کنز الدقائق کی شرح ''تبیین الحقائق'' میں اختلافِ مطالع کے موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس سلسلہ میں فقہاءِ احناف کے مابین پایا جانے والا اختلاف نقل کرنے کے بعد خود جو فیصلہ صادر کیا ہے وہ یہ ہے:

(اَلْأَشْبَهُ أَنْ يُّعْتَبَرَ لِأَنَّ كُلَّ قَوْمٍ مُخَاطَبُوْنَ بِمَا عِنْدَهُمْ وَانْفِصَالُ الْهِلَالِ عَنْ شُعَاعِ الشَّمْسِ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ كَمَا فِيْ دُخُوْلِ وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَخُرُوْجِهٖ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَقْطَارِ)

''زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر ہے کیونکہ ہر قوم وجماعت اسکی مخاطب ہوتی ہے جو اسکو درپیش ہو اور چاند کا سورج کی کرنوں سے الگ ہونا مطالع کے اختلاف سے

مختلف ہوتا رہتا ہے جیسا کہ نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات علاقوں کے مختلف ہونے کی بناء پر مختلف ہوتے رہتے ہیں۔''

اس موضوع پر مفصّل گفتگو کرنے اور فقہاء کی کتابوں سے اقتباسات نقل کرنے کے بعد علاّمہ لکھنویؒ نے جو جچا تُلا فیصلہ صادر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

''اصح المذاہب عقلاً و نقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیما بین آنہا مسافتے باشد کہ درآں اختلاف مطالع می شود و تقدیرش مسافت یک ماہ است دریں صورت حکم رؤیت یک بلدہ بہ بلدہ دیگر نخواہد شد و در بلاد متقاربہ کہ مسافت کم از کم یک ماہ داشتہ باشند حکم رؤیت یک بلدہ دیگر لازم خواہد شد''۔ (132)

''عقل و نقل ہر دو اعتبار سے سب سے صحیح مسلک یہی ہے کہ ایسے دو شہر جن میں اتنا فاصلہ ہو کہ انکے مطالع بدل جائیں جسکا اندازہ ایک ماہ کی مسافت سے کیا جاتا ہے اسمیں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیئے معتبر نہیں ہونی چاہیئے اور قریبی شہروں میں جنکے مابین ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو ان میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیئے لازمی و ضروری ہو گی۔''

جدید فقہی مسائل کے مؤلّف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (فاضل دیوبند) نے لکھا ہے کہ ''راقم الحروف کے خیال میں یہ رائے بہت معتدل، متوازن اور قرین عقل ہے۔ البتہ اختلافِ مطالع کی حد یں متعین کرنے میں ''ایک ماہ کی مسافت'' کی قید کی بجائے جدید ماہرین فلکیات کے حساب اور انکی رائے پر اعتماد کیا جانا زیادہ مناسب ہو گا۔'' (133)

---

(132) مجموعۃ الفتاویٰ علیٰ ھامش خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۵۵۔۲۵۶ بحوالہ جدید فقہی مسائل ص:۸۱۔۸۳ نیز دیکھیئے: اطلاع ارباب الکمال مولانا عبدالعزیز نورستانی ص ۴۳۔۴۷

(133) حوالۂ سابقہ

ندوۃ العلماء کا ایک اجلاس:

مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کا ایک اجلاس ۳ اور ۴ فروری ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا جسمیں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور نمائندہ شخصیتوں نے شرکت کی۔ اسمیں مسئلہ ''رؤیتِ ہلال'' کے تمام پہلوؤں پر غور اور فیصلے کیئے گئے جن میں سے ہی یہ بھی تھا کہ بلادِ قریبہ وہ شہر ہیں جنکی رؤیت میں عادۃً ایک دن کا فرق نہیں پڑتا (یعنی ایک ہی شام چاند نظر آ جاتا ہے) اور فقہاء نے ایک ماہ کی مسافت جو پانچ چھ سو میل ہوتی ہے اتنی مسافت پر واقع شہروں کو بلادِ بعیدہ قرار دیا ہے جن کی رؤیت الگ الگ سمجھی جائیگی (کہ ایک جگہ چاند نظر آ سکتا ہے اور دوسری جگہ نہیں) اور اس سے کم مسافت کے شہروں کو بلادِ قریبہ قرار دیا گیا ہے جن میں سے ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لیئے کافی و معتبر ہوگی۔ اور یہ بھی طے کیا گیا کہ مجلس ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع (چاند طلوع ہونے یا اسکے نظر آنے کا مقام) کتنی مسافت پر بدلتا ہے اور کن کن ملکوں کا آپس میں مطلع ایک ہے۔ اور پاک و ہند کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علماءِ پاک و ہند کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ ان ملکوں کے شہروں میں اسقدر بُعدِ مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو۔ البتہ مصر و حجاز جیسے ملکوں کا مطلع پاک و ہند سے دور ہونے کی وجہ سے الگ ہے لہٰذا ان میں پاک و ہند میں طلوعِ ماہتاب (طلوعِ ہلال) میں ایک دن کا فرق واقع ہو جاتا ہے لہٰذا ان ملکوں کی رؤیت پاک و ہند والوں کے لیئے لازم نہیں ہے۔ (134)

برصغیر کے معروف عالم مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ بھوجیانی نے لکھا ہے:

''ہندوستان میں وارنگل وسلی گوری اور مدراس و میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے (جو

(134) مختصراً بحوالہ جدید فقہی مسائل ص ۸۳-۸۴

مختلف ملکوں میں ہے) ہندوستان ایک ہی ملک ہے لیکن سطح کی بلندی اور پستی کا فرق واضح ہے۔شملہ اور آبو کا افق اور کلکتہ و چیرالوکی کا افق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔طول البلاد کا اتنا فرق ہے کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہوسکتا‘‘۔ (135)

شکست وریخت:

اختلافِ مطالع کے سلسلہ میں یہاں پر واضح کر دیں کہ احناف کے یہاں بھی اگر چہ اختلاف موجود ہے لیکن احناف کا مشہور مذہب یہی ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے اور یہی صحیح تر بات ہے کہ اعتبار کیا جائے حتی کہ مولانا عبدالحئ اور بعض دیگر حنفی اصحابِ علم نے بھی اسے ہی صحیح قرار دیا ہے اس مسئلہ کے تعلّق سے حنفی مذہب میں جو شکست وریخت نظر آرہی ہے وہ اس امر سے مزید واضح ہو جاتی ہے کہ جدید فقہی مسائل کے حنفی مؤلّف نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مطالع میں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ مسئلہ اب نظری نہیں رہا بلکہ یہ بات مشاہدہ اور تجربہ کی سطح پر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں مطلع کا اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض مقامات ایسے ہیں جن کے درمیان بارہ بارہ گھنٹوں کا فرق ہے عین اس وقت جبکہ ایک جگہ دن اپنے شباب پر ہوتا ہے، دوسری جگہ رات اپنا آدھا سفر طے کر چکی ہوتی ہے۔ٹھیک اسوقت جب کہ ایک جگہ ظہر ہوتی ہے دوسری جگہ مغرب کا وقت ہو چکا ہوتا ہے۔ظاہر ہے ان حالات میں ان مقامات کا مطلع ایک ہو ہی نہیں سکتا۔فرض کیجیئے کہ جہاں مغرب کا وقت ہے اگر وہاں چاند نظر آئے تو کیا جہاں ظہر کا وقت ہے وہاں بھی چاند نظر آجائیگا؟ یا اسکو مغرب کا وقت تسلیم کر لیا جائے گا؟

دوسرا مسئلہ جو اختلافِ مطالع کے اعتبار یا عدمِ اعتبار سے تعلق رکھتا ہے اسکے بارے میں احناف کا مشہور مسلک ذکر کرنے اور شافعیہ وغیرہ کے مسلک کا تذکرہ کرنے کے بعد مولانا خالد سیف اللہ لکھتے ہیں:

---

(135) الاعتصام جلد ۲۶، شمارہ ۳۲ بحوالہ فتاویٰ علماء حدیث ۶/۱۶۴

''یہ بات بہت واضح ہے کہ نمازوں کے اوقات میں سبھی اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اگر ایک جگہ ظہر یا عشاء کا وقت ہو چکا ہو اور دوسری جگہ نہ ہوا ہو تو جہاں وقت نہ ہوا ہو وہاں کے لوگ محض اس بناء پر ظہر و عشاء کی نماز ادا نہیں کر سکتے کہ دوسری جگہ ان نمازوں کا وقت ہو چکا ہے۔ یا ایک جگہ اگر مہینہ کا اٹھائیسواں (۲۸) ہی دن ہے اور دوسری جگہ انتیسواں (۲۹) جہاں چاند نظر آ گیا تو محض اس بناء پر کہ دوسری جگہ چاند نظر آ گیا ہے ۲۸ ویں تاریخ ہی پر مہینہ ختم کر کے اگلے دن رمضان یا عید نہیں کی جائیگی۔ اس لیئے یہ بات فطری اور انتہائی منطقی ہے کہ مطالع کا اختلاف اور اسی لحاظ سے رمضان و عید کا اختلاف تسلیم کرنا ہی پڑے گا''۔ (136)

بعض متجدّد دین کی طرف سے جو ''وحدتِ امت'' کے لیئے دنیا بھر میں ''وحدتِ عید'' کا شاخسانہ تیار کیا گیا ہے مولانا عطاء اللہ حنیف (شارح نسائی) شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (سابق امیرِ مرکزی جمعیت۔ پاکستان) مولانا عبدالقدوس ہاشمی حنفی، مولانا مودودی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا عزیز زبیدی نے الاعتصام لاہور، جسارت کراچی، فکر ونظر اسلام آباد، محدّث لاہور اور تفسیر ماجدی میں اسکی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ (137)

رؤیتِ ہلال، وحدتِ امت اور اختلافِ مطالع کے موضوع کی مزید تفصیلات کے لیئے دیکھیئے:

① المغنی ۳/ ۸۱۔۸۳ بتحقیق محمد خلیل ھراس طبع مصر۔ ② نیل الاوطار ۲/۴/ ۱۹۴۔۱۹۵
③ فتاویٰ ابن تیمیّہ ۲۵/ ۱۰۳۔۱۱۴ ④ فتاویٰ علماءِ حدیث ۶/ ۱۲۰۔۲۰۷
⑤ الفتح الربانی وشرحہ ۹/ ۲۷۰۔۲۷۲ ⑥ اطلاع ارباب الکمال علی ثبوت رؤیۃ الہلال ص ۴۔۶۷ مؤلفہ مولانا عبدالعزیز نورستانی۔ ⑦ جدید فقہی مسائل، ص ۶۷۔۷۴

(136) دیکھیئے: جدید فقہی مسائل ص ۷۹۔۸۰
(137) للتفصیل: فتاویٰ علماء حدیث ۶/ ۱۶۴، ۱۸۳، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۶ اطلاع ارباب الکمال نورستانی ص ۱۰۔۲۳ وفتویٰ شیخ ابن باز فی فتاویٰ اسلامیہ ۲/ ۱۳۶

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے:

کبھی یہ صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ ہمارے ان خلیجی یا دوسرے ممالک میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنی مقامی رؤیت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کیا اور عیدالفطر سے چند دن قبل پاکستان یا انڈیا وغیرہ چلا گیا تاکہ اپنے عزیزوں کے ساتھ مل کر عید کی خوشیاں منا سکے جبکہ وہاں عموماً روزوں کا آغاز ایک دن بعد ہوتا ہے۔

اسکے برعکس یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے چند روزے اپنے ملک میں رکھنے کے بعد وہ یہاں عرب ممالک میں آجائے جبکہ یہاں والوں نے اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھا تھا۔ان ہر دو صورتوں میں سے کبھی تو کسی کے دوسروں کے ساتھ رہنے سے صرف اٹھائیس (۲۸) روزے ہی ہو پاتے ہیں اور کبھی اکتیس (۳۱) بھی ہو سکتے ہیں جبکہ نہ یہ صحیح ہے اور نہ ہی وہ درست۔

پس چہ باید کرد؟

مذکورہ دونوں صورتوں کے نتیجہ میں پیش آمدہ سوال کا جواب یہ ہے کہ:

''اگر کوئی شخص کسی جگہ مقامی رؤیت کے حساب سے روزہ رکھنا شروع کرتا ہے۔ پھر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے رہنے والوں نے ایک دن پہلے روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو وہ شخص (انتیس روزے پورے ہو جانے کی صورت میں) انہی کے ساتھ عیدالفطر کر لے اور انکے پہلے روزے کی جگہ اسے ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔''

اگر وہ کسی ایسے ملک کی طرف سفر کر جاتا ہے جہاں کے لوگوں نے اس شخص سے ایک دن بعد میں روزہ رکھنا شروع کیا تھا تو اسکے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

''اگر وہ کہیں کہ وہ اکیلا ہی (ایک روزہ پہلے رکھ چکنے کی وجہ سے) عیدالفطر کر لے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اکیلا آدمی چاند دیکھ لیتا ہے تو وہ اکیلا ہی مشہور قول کے مطابق افطار (عید الفطر) نہیں کر سکتا۔اور اگر وہ انکے ساتھ ہی روزے رکھتا رہے تو اسکے روزے (وہاں تیس

ہونے کی شکل میں) اکتیس ہو جائینگے۔''

لہٰذا اگر اہلِ بلد اپنے روزے مکمل کر کے عید کریں مگر اسکے تاخیر رؤیتِ ہلال اور تاخیرِ آغازِ رمضان کی وجہ سے روزے پورے ہونے کی بجائے صرف اٹھائیس [۲۸] رہ جائیں تو بھی یہ ان مقامی لوگوں کے ساتھ عید کرلے اور بعد میں ایک روزہ قضاء کرلے کیونکہ رمضان کسی بھی صورت میں اٹھائیس [۲۸] دنوں کا نہیں ہوسکتا۔

''اگر تقدیمِ رؤیتِ ہلال اور تقدیمِ آغازِ رمضان کی وجہ سے اسکے روزے تو تیس [۳۰] ہوگئے مگر مقامی لوگ اپنی رؤیت کے حساب سے اگلے دن بھی روزہ رکھیں تو اس شخص کو اختیار ہے کہ یہ افطار کرلے (یعنی روزہ نہ رکھے) مگر (مقامی رؤیت کے حساب سے جاری) رمضان المبارک کے احترام کی خاطر سرِ عام کھانے پینے سے گریز کرے۔ اور چاہے تو مقامی لوگوں کے ساتھ احتیاطاً محض نفلی طور پر روزہ رکھ لے۔ نفلی اس لیئے کہ رمضان المبارک کے دن بالاتفاق اکتیس [۳۱] ہو ہی نہیں سکتے۔ اور وہ اپنے تیس [۳۰] روزے پورے کر چکا ہے اور یہ دوسری (نفلی روزہ رکھ لینے والی) صورت ہی بظاہر افضل ہے''۔ (138)

علاّمہ ابن باز رحمہ اللہ نے اِسی سلسلہ میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا ہے جسمیں اٹھائیس [۲۸] روزے رہ جانے کی شکل میں تو وہ انتیسواں [۲۹] روزہ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں کہ کوئی عربی مہینہ انتیس [۲۹] دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں البتہ دوسری شکل میں اگر اسے اکتیسواں [۳۱] روزہ بھی رکھنا پڑے تو وہ ارشادِ نبوی ﷺ :

((اَلصَّوْمُ یَوْمَ تَصُوْمُوْنَ وَالْاِفْطَارُ یَوْمَ تُفْطِرُوْنَ))

''روزہ اسی دن سے شروع ہے جس دن سے تم سب روزہ رکھو اور عید اسی دن ہے جس دن تم سب کی عید ہو''۔

---

(138) للتفصیل : المجموع شرح المہذب للامام نووی ۶/۳۹۲-۳۹۳ طبع مصر۔ مجموع فتاویٰ امام ابن تیمیّہ ۲۶/۱۰۶ وما بعد

اس حدیث کی روشنی میں اکتیسواں روزہ رکھنا بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ (139)

اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں اکتیسواں روزہ بھی نفلی طور پر نہیں بلکہ وجوباً رکھنا ہوگا جبکہ یہ بات موصوف کے خود اپنے قول کہ ''کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم ہوتا ہی نہیں'' کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ جسطرح کوئی عربی مہینہ انتیس دنوں سے کم نہیں ہوتا اُسی طرح ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی عربی مہینہ تیس دنوں سے بالاتفاق زیادہ بھی نہیں ہوتا جیسا کہ علاّمہ ابن رشد نے رمضان المبارک کے روزوں کی کم از کم تعداد ۲۹ اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ پر اجماعِ اُمت نقل کیا ہے۔ (140)

غرض صورتِ حال پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ روزہ رکھنا ہی افضل واحوط ہے وجوباً ہو یا نفلاً۔

طویل الاوقات علاقوں میں روزہ:

رؤیتِ ہلال کے ضمن میں ہی یہ بات بھی آتی ہے اور پیش بھی آسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے مقام پر قیام پذیر ہو جہاں وقت کے پیمانے الگ ہی ہوں مثلاً ہماری طرح چوبیس[۲۴] گھنٹے کے شب وروز نہ ہوں بلکہ بائیس[۲۲] گھنٹوں کا دن اور دو گھنٹوں[۲] کی رات ہو یا پھر وہاں طویل عرصہ تک دن رہے اور پھر طویل عرصہ تک رات رہے تو ایسے طویل الاوقات علاقوں میں روزہ کیسے رکھا جائیگا؟

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات پیشِ نظر رکھیں کہ روزہ کے اوقات کے بارے میں قرآن وسنّت میں تصریح موجود ہے کہ طلوعِ فجر سے روزے کا آغاز اور غروبِ آفتاب پر اسکا اختتام ہوتا ہے اور بعض جُزوی باتوں پر معمولی اختلاف سے قطع نظر یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے جس سے یہ تو ظاہر ہے کہ اسکے اصل اوقات یہی ہیں۔ جغرافیائی اور موسمی حالات کے لحاظ سے ان میں کمی

---

(139) بحوالہ فتاویٰ اسلامیہ ۲/۱۳۳ والفتاویٰ لابن باز ۱/۱۷۱، سلسلۃ ''کتاب الدعوۃ'' الریاض وماہنامہ الفرقان۔ قبرص (سائپرس) وکویت جلد اول شمارہ ۴ بابت ماہ رمضان ۱۴۰۹ھ اپریل ۱۹۸۹ء

(140) بدایۃ المجتہد ۱/۲۸۳۔۲۸۴ طبع مکتبۃ المعارف الریاض

بیشی بھی ہوسکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ خود پاک و ہند میں ایسا تفاوت ہوتا رہتا ہے۔

اب اگر کہیں اوقات کا تھوڑا بہت فرق ہو مثلاً دن بارہ[۱۲] گھنٹوں کی بجائے سولہ[۱٦] یا سترہ[۱۷] گھنٹوں کا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ روزہ کا حکم تب بھی یہی رہے گا۔ لیکن اگر کہیں غیر معمولی فرق ہو جائے مثلاً بیس[۲۰] یا بائیس[۲۲] گھنٹوں کا دن ہو جائے اور صرف دو چار گھنٹوں کی رات رہ جائے تو بھی قرآن وسنّت کے عمومی احکام کا تقاضا تو یہی ہے کہ روزہ طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک ہو اور احناف کا فتویٰ اسی پر ہے۔(141)

البتہ چونکہ بسا اوقات اسکی وجہ سے غیر معمولی مشقّت پیدا ہو جائیگی اور عمر رسیدہ یا کمزور آدمیوں کے لیئے روزہ رکھنا دشوار ہو جائیگا، اسلیئے علماء اس بات پر غور کر سکتے ہیں کہ کیا دوسرے قریبی معتدل موسم کے علاقوں کی رعایت کرتے ہوئے غروبِ آفتاب سے پہلے روزہ افطار کر لینا درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس بات کا فیصلہ کرنے میں فقہاء کے وہ خیالات بھی سامنے رکھے جاسکتے ہیں جن میں وہ کہتے ہیں:

(اَلْمَشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيْرَ وَالضَّرَرُ يُزَالُ)

''مشقّت آسانی کا باعث ہوتی ہے اور یوں ضرر زائل کیا جائے گا۔''

اور فقہاءِ احناف نے تو بھوک و پیاس کی ہلاکت خیز شدّت کو بھی روزہ توڑنے کے لیئے عذر قرار دیا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ایسے اعذار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہی اعذار میں سے بھوک و پیاس کی شدّت ہے جس سے ہلاکت یا دماغی توازن بگڑ جانے کا خطرہ واندیشہ ہو جائے جیسے کوئی کنیز، کام کی انجام دہی سے عاجز ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ رکھتی ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جسے شاہی افسر تعمیری یا زراعتی کاموں کے لیئے سخت گرم دنوں میں کہیں لے جائے اور اسکی ہلاکت یا دماغ کے متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہو۔(142)

---

(141) دیکھیئے: جدید فقہی مسائل ص ۸۵ (142) فتاویٰ عالمگیری بحوالۂ سابقہ ایضاً

ایسے میں روزہ توڑنے کی تو اجازت دی گئی ہے اور ایسی نادر صورتوں میں اس پر کوئی کفّارہ بھی نہیں ہوگا بلکہ صرف قضاء ہی ہوگی۔ اور اگر کہیں ایسی صورت مسلسل ہو تو اسکے بارے میں اہلِ علم کو سوچنا چاہیئے کہ وہ لوگ اگر قریبی معتدل موسم والے علاقوں کی رعایت کرتے ہوئے غروبِ آفتاب سے پہلے روزہ افطار کرلیں تو انکے لیئے جائز ہے یا نہیں؟

البتہ جہاں ایک طویل عرصہ (کئی ماہ) تک دن اور پھر اسی طرح رات کا سلسلہ رہتا ہو (جیسے قطبین اور انکے قریبی علاقے ہیں) وہاں روزہ کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں جسکی بنیاد طویل الاوقات علاقوں میں نماز کے حکم پر ہے۔ ایسے علاقوں میں اندازہ سے پانچ نمازیں ادا کی جائیں گی کیونکہ نمازِ پنجگانہ کی فرضیت بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لیئے عام ہے اور اس بات کا پتہ خود حدیثِ شریف میں مذکور ایک واقعہ سے بھی چلتا ہے جسمیں حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجّال کے ظہور کے وقت ایک ایسے دن کی پیشین گوئی فرمائی ہے جو ایک سال کے برابر ہوگا اور اس حدیث میں مذکور ہے:

((فَذَالِکَ الْیَوْمُ الَّذِیْ کَسَنَةٍ، أَتَکْفِیْنَافِیْهِ صَلوٰةُ یَوْمٍ؟ قَالَ: لَا، اُقْدُرُوْالَهٗ قَدْرَهٗ الخ))(143)

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن جو ایک سال کے مساوی ہوگا کیا ایک دن کی نماز کافی ہوجائیگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس دن اندازہ سے کام لو۔“

اس حدیث نے گویا نمازوں کے مسئلہ کو دوٹوک کردیا ہے کہ انکے اوقات کے لیئے اندازہ سے کام لیا جائیگا کہ ہر چوبیس [۲۴] گھنٹوں کو ایک شب و روز تصور کرکے اوقاتِ نماز کے درمیان جو

(143) صحیح مسلم مع النووی ۹/۱۸/۶۵-۶۶، صحیح الترمذی للالبانی ۲/۲۴۹ طبع الریاض مکتب التربیة لدول الخلیج

فصل ہے اسکا تناسب ملحوظ رکھتے ہوئے نمازیں پڑھی جائیں گی۔ کیونکہ شرح مسلم نووی میں اندازے سے کام لینے کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''فجر پڑھیں اور جب طلوعِ فجر اور ظہر کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گزر گیا تو نمازِ ظہر پڑھیں اور جب ظہر اور عصر کے درمیانی وقت کا عرصہ گزر گیا تو نمازِ عصر پڑھیں اور پھر عصر و مغرب کے درمیانی وقت کے مطابق عرصہ گزر گیا تو مغرب پڑھیں اور اسی طرح ہی عشاء پھر فجر ظہر پھر عصر پھر مغرب اور نمازِ عشاء۔ یہ سلسلہ اسی طرح ہی چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ دن ختم ہو جائے۔''(144)

ایسے طویل الاوقات علاقوں میں جسطرح نماز کے اوقات کا اندازے سے تعیّن کیا جائیگا اور جس طرح نماز کی فرضیت بلا تخصیص عام ہے اسی طرح ہی ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت و حکم بھی چونکہ بلا تخصیص تمام مسلمانوں کے لیئے عام ہے اور یہ اُسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب ایسے مقامات پر بھی اندازے سے سال کے بارہ مہینے متعیّن کیئے جائیں اور ان میں سے ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھے جائیں۔ اور ایسے مقامات کے باشندوں کو ان مقامات کے مطابق عمل کرنا چاہیئے جو اُن سے قریب ہیں اور وہاں معمول کے مطابق دن اور رات کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ وقت کی حیثّیت محض ایک علامت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (145)

رؤیتِ ہلال کی دعاء:

رؤیتِ ہلال، اختلافِ مطالع اور بعض دیگر متعلقہ مسائل کے ذکر کے بعد یہ بھی پیشِ نظر رکھیں کہ ہلال یا چاند ماہِ رمضان کا ہو جسے دیکھ کر اگلے دن سے روزہ رکھنا شروع کیا جاتا ہے

---

(144) شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ۹/۱۸/۶۶

(145) ملاحظہ فرمائیں: جدید فقہی مسائل ص ۸۴-۸۶

یا ماہِ شوال کا جسے ''ہلالِ عید'' کہتے ہیں، جسے دیکھ کر اگلی صبح عید کی جاتی ہے یا چاہے کسی بھی دوسرے مہینے کا چاند کیوں نہ ہو، اُسے جب پہلی مرتبہ دیکھا جائے تو اس موقع کے لیئے نبی اکرم ﷺ نے ایک دعاء تعلیم فرمائی ہے، چنانچہ صحیح ابن حبان، سنن دارمی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اس دعاء کے یہ الفاظ ہیں:

((اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ)) (146)

''اللہ سب سے بڑا ہے۔اے اللہ! اس چاند کے ساتھ ہمارے لیئے امن وایمان، سلامتی واسلام اور اپنے پسندیدہ ورضاء یافتہ اعمالِ خیر کی توفیق ارزاں فرما: اے ہلال! ہمارا اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔''

ترمذی میں قدرے اختصار ہے اور یہ مختصر دعاء ہی زیادہ معروف بھی ہے جسکے الفاظ ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اَھِلْلُہٗ [اَھِلَّہٗ] عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ [بِالْاَمْنِ] وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ)) (147)

''اے اللہ ! اس چاند کے ساتھ ہمارے لیئے امن وایمان اور سلامتی واسلام نازل فرما۔اے ہلالِ نو! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہی ہے۔''

ان دونوں دعاؤں میں سے جو بھی یاد ہو کرلیں اور اگر کسی کو کوئی ایک بھی یاد نہیں تو ایک یاد کر لینی چاہیئے۔

(146) صحیح ابن حبان۔الموارد ص۵۹۰ بتحقیق محمد عبدالرزاق حمزہ مدرس حرم مکّی طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت،، دارمی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بحوالہ صحیح الکلم الطیّب للامام ابن تیمیّہ ص ۹۱ طبع المکتب الاسلامی، تحفۃ الاحوذی ۹/۱۴۱

(147) ترمذی مع التحفۃ ۹/۱۴۱ عن طلحۃ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

اندازِ دعاء:

یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ چاند دیکھنے کے بعد جب تک دعاء کرتے رہیں اپنا رخ چاند کی طرف ہی کیئے رہتے ہیں۔ یہ اندازِ دعاء درست نہیں کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسکی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِذَا رَأَیٰ الْھِلَالَ فَلَا یَرْفَعُ اِلَیْہِ رَأْسَہٗ اِنَّمَا یَکْفِیْ مِنْ اَحَدِکُمْ اَنْ یَّقُوْلَ: رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ)) (148)

"جب تم میں سے کوئی شخص چاند دیکھے تو اسکی طرف سَر (منہ) اٹھائے نہ کھڑا رہے بلکہ یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔"

یعنی چاند دیکھ کر صرف دعاء کردینا ہی کافی ہے۔ اُدھر منہ کیئے کھڑے نہ رہیں۔ ایک دوسرے اثر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ چاند دیکھ کر آسمان کی طرف منہ کیئے کھڑے رہنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چاند دیکھ کر اپنی راہ لیں اور دعاء کردیں۔ (149)



ماہِ رمضان کی مبارک ساعات اور عام اوقات میں آپ سب کی دعاؤں کا طالب

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان، سپریم کورٹ، الخبر

وداعیہ متعاون مراکز دعوت وارشاد

الدمام، الظہران، الخبر (سعودی عرب)

---

(148) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۸/۱۱ بحوالہ تحقیق الکلم الطیّب للألبانی ص ۹۱

(149) ابن ابی شیبہ ایضاً